نصائح

اپنے قریبوں سے ہمدردی کا برتاؤ کرنا، ہر آدمی سے نرم زبانی سے بولنا، خاکساری سے رہنا، ہر ایک کی خاطر تواضع کرنا، کسی کو سخت بات نہ کہنا، کسی کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھنا، تکبّر اور غرور نہ کرنا، کیونکہ تکبّر کرنے والا اللہ کا دشمن ہے، کتاب تنبیہ الغافلین اور اکسیر ہدایت کو (اور اس جیسی بزرگانِ دین کی کتابیں) مطالعہ میں رکھنا، جو کچھ ان میں لکھا ہے ان پر عمل کرنا، قرآن شریف کی تلاوت ہمیشہ کرنا، جو حاجت مند سوال کرے اپنے مقدور بھر اس کا سوال پورا کرنا، مہمان کی خاطر داری اور تواضع کرنا، اپنی مشکل اور حاجت کے وقت اپنے رب ہی سے دعا کرنا، اللہ تعالےٰ آپ کو اپنے حبیبؐ کے صدقہ میں ان نصیحتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے کہ توفیق اسی کے اختیار میں ہے۔

حضرت شیخ المشائخ قطب عالم مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہٗ

منقول انوار الاولیاء ص ۵۹

ہدیہ : ڈیڑھ روپیہ

۲۵ ستمبر ۱۹۸۱ء

احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ و تشریح ——— حضرت مولانا احمد علیؒ

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ (رواہ البخاری)

ترجمہ: عبداللہؓ بن عمرو سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں اور مہاجر وہ شخص ہے جو ہر اس چیز کو چھوڑ دے جس سے اللہ تعالٰے نے منع کیا ہے۔

تشریح: مسلمانوں میں سے بہترین آدمی وہ ہے جو اللہ تعالٰے کے حقوق کے ساتھ مخلوقات کے حقوق بھی ادا کرے اور ان کی عزت اس کے شر سے محفوظ رہے اور اسی طرح بہترین مہاجر وہ شخص ہے جو اللہ تعالٰے کی حرام کردہ چیزوں کو چھوڑ دے۔ (عمدة القاری۔ جلد اول صہ ۱۵۵)

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ — (متفق علیہ)

ترجمہ: انسؓ سے روایت ہے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی مومن (کامل) نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ میں اس کے دل میں اس کے ماں باپ، اس کی اولاد اور سب لوگوں سے پیارا نہ ہو جاؤں۔

تشریح: یعنی اس شخص کا ایمان کامل نہیں ہے جس کے دل میں ماں باپ اور دوسرے سب لوگوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت زیادہ نہیں ہے۔ قاضی عیاض نے فرمایا ہے کہ آپ کی سنت کی مدد کرنا اور آپ کی شریعت سے اعتراضات کو ہٹانا یہ بھی آپ کی محبت کی دلیل ہے۔ (عینی جلد اول صہ ۱۶۹)

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ عَنْ اُمَّتِيْ مَا وَسْوَسَتْ بِهٖ صُدُوْرُهَا مَا لَمْ تَعْمَلْ بِهٖ اَوْ تَتَكَلَّمْ بِهٖ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالٰے نے میری امت سے سینے کے وسوسے کو معاف کر دیا ہے۔ جب تک کہ اس پر عمل نہ کریں۔ یا منہ سے نہ کہیں۔

تشریح: یہ قاعدہ ہے کہ جہاں دولت ہو چور وہیں نقب لگاتا ہے۔ مومن کے لئے ایمان سے بڑھ کر اور کوئی دولت نہیں ہے اور شیطان سے بڑھ کر اس دولت کا کوئی دشمن نہیں ہے۔ اس لئے مومن کے دل میں ایمان اور اسلام کے خلاف وسوسے ڈالتا رہتا ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں آئی۔ پھر انہوں نے سوال کیا کہ ہمارے دلوں میں ایسے خیالات آتے ہیں کہ ان کا ظاہر کرنا بہت بڑا گناہ خیال کرتے ہیں آپؐ نے فرمایا کیا واقعی ایسے خیال آتے ہیں؟ انہوں نے عرض کی، ہاں، آپؐ نے فرمایا کہ یہ (ایسے خیالات کو برا سمجھنا)

ہفت روزہ
خدام الدین
لاہور

جلد ۲۷ ٭ شمارہ ۱۳
۲۵ ذیقعدہ ۱۴۰۱ھ ٭ ۲۵ ستمبر ۱۹۸۱ء

اس پرچہ میں

رئیس الادارہ
پیر طریقت حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ
مدیر منتظم
مولوی محمد اجمل قادری
مدیر
محمد سعید الرحمٰن علوی

بدل	سالانہ -/۶۰، ششماہی -/۳۰
اشتراک	سہ ماہی -/۱۵، فی پرچہ ۱/۵۰

دینی مدارس کی سندات

برصغیر میں انگریزی اقتدار کے سائے کیا پڑے کہ مسلمان قوم کا سب کچھ لٹ گیا۔ زندگی کے تمام شعبوں میں زبردست انقلابات آئے۔ حتیٰ کہ نظام تعلیم یکسر بدل دیا گیا۔ تعلیم گاہیں اور مکاتب ویران کر دئے گئے اور اپنی مرضی کا نصاب تعلیم قوم کے سر پر مسلّط کر دیا گیا اپنے قدیم تعلیمی ورثہ کے بچاؤ کے لئے کچھ صاحب دل علماء نے محنت و سعی کی جن میں حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا نام نامی سرفہرست ہے ——— بڑی طویل اور صبر آزما جنگ کے بعد ملک اس حال میں آزاد ہوا کہ اس کے دو حصے بن گئے اور ایک حصہ (پاکستان میں) مسلمانوں کی حکومت قائم ہو گئی۔ اس مرحلہ پر بنیادی ضرورت یہ تھی کہ نصاب و نظام تعلیم اس انداز سے ترتیب دیا جاتا جو قومی ضرورتوں سے ہم آہنگ ہوتا اور "ثنویت" کی مصیبت سے چھٹکارا حاصل ہو جاتا لیکن جب سے اب تک ایسا نہیں ہوا اور برابر دو متوازی تعلیم معاشرہ میں موجود ہیں۔

ایوبی مارشل لاء کے دور میں حضرات علماء دیوبند کثر اللہ تعالیٰ سوادھم نے بڑی محنت سے "وفاق المدارس العربیہ" کی تنظیم بنائی۔ تاکہ مدارس اسلامیہ ایک اجتماعی نظام میں منسلک ہو سکیں۔ حضرت مولانا مفتی محمود خلد آشیانی نے وفاق کے ذمہ دار ہونے کی حیثیت سے ۱۹۶۲ء کی اسمبلی میں دینی مدارس کے طلبہ کی سندات وغیرہ کے متعلق جد و جہد شروع کر دی۔ کالعدم جمعیۃ علماء اسلام نے اسمبلی کے اندر اور باہر اس محاذ پر بھرپور محنت کی، حتیٰ کہ اب آ کر تعلیمی مقاصد کے لئے یہ سند ایم، اے کے برابر منظور کر لی گئی۔ اخباری اطلاعات کے مطابق وفاق المدارس العربیہ کے ساتھ ساتھ تنظیم المدارس العربیہ کی سند کو بھی یہ شرف نصیب ہوا ہے اور یوں ہمارے...... دوستوں کو ایک موقعہ مل گیا ہے۔ ان دونوں تنظیموں کے علاوہ خبر کے

مطابق "مستند دینی مدارس" کی اصطلاح بار بار سامنے آئی ہے اور انفرادی طور پر ان کی سند کو بھی یہ اعزاز بخشا گیا ہے ـــ اور اب کچھ دن پہلے موقوف علیہ کی سند کو ملک کے طبی اداروں میں داخلہ کے لئے میٹرک کے برابر تسلیم کرنے کا اعلان ہوا ہے۔

جہاں تک وفاق المدارس کا تعلق ہے اس کے نظام سے ہم خاصی حد تک واقف ہیں اور پھر اس کے رہنماؤں نے جو محنت و کوشش کی اس کا تقاضا تھا کہ اس کی سند کو یہ اہمیت نصیب ہوتی لیکن جہاں تک "مستند دینی اداروں" کا تعلق ہے ان کی کوئی وضاحت ہنوز سامنے نہیں آئی۔ وفاق المدارس دیوبندی مکتب فکر سے وابستہ مدارس کی تنظیم ہے جس میں اس مکتب فکر کے سینکڑوں فوقانی، وسطانی اور تحتانی مدارس شامل ہیں لیکن کئی ایک ایسے مدارس ہیں جو بوجوہ اس میں شامل نہیں مثلاً حضرت حافظ الحدیث مولانا محمد عبداللہ درخواستی کا مدرسہ مخزن العلوم اور گوجرانوالہ کی مشہور دینی درسگاہ مدرسہ نصرۃ العلوم جیسی اہم ترین درسگاہیں شامل وفاق نہیں اب جب یہ شامل وفاق نہیں تو ان کی سندات یا اور اس قسم کے مدارس کی سندات کا کیا بنے گا؟

جہاں تک "مستند دینی اداروں" کا تعلق ہے چونکہ ان کی کوئی وضاحت سامنے نہیں اس لئے نہیں کہا جا سکتا کہ حکومت کے ذہن میں کیا ہے؟ اگر حکومت کا یہ خیال ہے کہ وہ مدارس جن کی سندات پہلے سے فوج وغیرہ کے لئے منظور شدہ ہیں انہیں یہ سہولت حاصل ہوگی تو یہ بات کسی طرح درست نہیں کیونکہ بدقسمتی سے اس سلسلہ میں ایسے ایسے "مدارس" کی سندات منظور ہیں جن کی محض سند ہی ہے مدرسہ نہیں اور حکومت اپنے خفیہ ذرائع سے اس کی انکوائری کرے تو اس کے سامنے عجیب و غریب حقائق آئیں گے اور "درویشی کی عیاری" الم نشرح ہوگی۔

ہمارا بڑا جائز اور بنی بر[...] مطالبہ یہ ہے کہ حکومت مدارس کا با[...] سروے کرائے جن مدارس کی محض س[...] ہی سندات ہیں یا جو "ارباب مدارس[...] بغیر مدرسہ چندے اور امداد کے حص[...] میں سرگرم عمل ہیں انہیں عبرت نا[...] سزائیں دی جائیں ـــ اساتذہ ا[...] کارکنوں کی بہتری اور فلاح کے لئے "ملازمت کا ضابطہ" تیار کرایا جائے اور جو مدرسہ جس سلوک کا مستحق ہے اس کے ساتھ وہ سلوک کیا جائے۔

امید ہے کہ حکومت اس طرف فوری توجہ دے گی تاکہ کسی کا حق ضائع نہ ہو۔

یا ایہا الذین امنوا ادخلوا فی السلم کافۃ ولا تتبعوا خطوات الشیطان

مجلسِ ذکر

ضبط و ترتیب : علوی

اسلام کیا ہے؟

پیر طریقت حضرت مولانا عبیداللہ انور مدظلہ العالی

بعد از حمد و صلاۃ :-

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم : بسم اللہ الرحمٰن الرحیم :-

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔

محترم حضرات و معزز خواتین!

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہمیں اپنی یاد کی توفیق عطا فرمائی۔ اس مجلس میں دوست احباب دور دور سے ہر ہفتہ تشریف لاتے ہیں اور اللہ کا نام لیتے ہیں۔ خاص طور پر نوچندی جمعرات کو جبکہ مجلس ذکر کے ساتھ ساتھ آیت کریمہ بھی پڑھی جاتی ہے۔ اس موقعہ پر تو ملک کے ہر حصہ سے احباب تشریف لاتے ہیں اور اس میں اکثر و بیشتر بڑے بڑے اکابر اور بزرگ بھی شریک ہوتے ہیں۔ یہ سب خدا کی دین ہے۔ اس مجلس پاک اور آیت کریمہ کی بے پناہ برکات ہیں جن کا ہم نے اور بہت سے احباب نے بارہا مشاہدہ کیا۔

۱۹۷۱ء کے المیہ میں جب ہمارے ہزاروں نوجوان قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہے تھے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ کی بات ذہن میں ڈالی۔ الحمد للہ کہ اس کے بہت جلد بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے ان کی رہائی کے آثار پیدا فرما دئے اور پھر وہ اپنے گھروں کو آگئے۔

قرآن مجید کی جو آیت کریمہ پڑھی گئی ہے وہ اکثر آپ نے سنی۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جناب رسول کریم علیہ السلام کے طریق زندگی کو اپنانے اور اس کے مطابق اپنے آپ کو سنوارنے کی تلقین فرمائی ہے۔ یہ ذکر و فکر اور خدا کی یاد کا سلسلہ بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا عمل و ارشاد ہے۔ حضرت ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے کہ حضور علیہ السلام ہمیشہ یادالٰہی میں مصروف رہتے اور یہ بھی ارشاد ہے کہ تمہاری زبانیں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے تر رہنی چاہئیں۔ حضور علیہ السلام کے عمل و کردار کو اپنانے اور آپ کے اقوال و کلمات اور احکامات کے مطابق زندگی گذارنا ہی ایک مسلمان کا طرۂ امتیاز، سب سے بڑی خوبی اور انسانیت کی معراج ہے۔ اسلام کا معنی ہی "گردن نہادن" اور تسلیم و انقیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے خلیل علیہ السلام کو فرمایا تھا ـــ "اَسلِم" تسلیم و انقیاد کا وطیرہ اپناؤ۔ انہوں نے عرض کیا "اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِینَ" کہ میں پروردگارِ عالم کی تسلیم و اطاعت کا عہد کرتا ہوں۔ یا مثلاً قرآن عزیز میں ہے "فلما اسلما" یعنی ان باپ اور بیٹے دونوں نے اپنی گردن اطاعت جھکا دی۔ یہ سورۂ صافات کا حصہ ہے اور اس موقعہ پر فرمایا گیا ہے جب ابراہیم علیہ السلام نے خواب کی بناء پر اللہ کے حکم سے اپنے بیٹے کی قربانی کا تہیہ کر لیا۔ اور باپ نے بیٹے کو لٹا کر چھری سنبھال لی تو خدا کو یہ ادا بڑی پسند آئی۔ اس پر ارشاد ہوا "اسلما"۔

بہرحال اسلام گردن اطاعت جھکا دینے کا نام ہے۔ بڑ[...]

(باقی)

خطبۂ جمعہ

ضبط و ترتیب : علوی

راہِ حق کے مصائب اور ان پر مرتّب ہونے والے ثمرات

○ جانشین شیخ التفسیر حضرۃ مولانا عُبید اللہ انور مدظلہم ○

بعد از خطبہ مسنونہ :۔

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم : بسم اللہ الرحمٰن الرحیم :۔

وَاِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ ۝ (صدق اللہ العلی العظیم) البقرہ ۱۲۴)

محترم حضرات و معزز خواتین!

گذشتہ صحبت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ان دعاؤں کے متعلق مختصراً گفتگو کی گئی تھی جو انہوں نے بناء کعبہ کے وقت کی تھیں۔ اس ضمن میں اس آیت کی طرف بھی اشارہ ہوا تھا جو ابھی آپ نے سماعت فرمائی۔ اس میں ابراہیم علیہ السلام کے مقتدا بنائے جانے کا خداوندی وعدہ ہے اور یہ وعدہ اس وقت ہوا جب انہوں نے چند آزمائشوں میں کامیابی حاصل کر لی۔

ہم نے گذشتہ جمعہ تفسیری روایات کا نچوڑ اور خلاصہ حضرت الامام لاہوری قدس سرہٗ کے الفاظ میں عرض کر دیا تھا کہ وہ چار امتحانات تھے جن سے جناب خلیل کو دو چار ہونا پڑا۔ وہ کامیاب ثابت ہوئے تو انہیں مقتداد و امام بنایا گیا۔ اس پر انہوں نے یہ عرض کیا کہ یہ سلسلہ امامت و پیشوائیت محض میری ذات تک محدود ہے یا کہ اس کا سلسلہ میری اولاد میں چلے گا؟ اس کا اصولی جواب یوں دیا گیا کہ یہ نہ تو محض وراثت ہے کہ ہر اچھے بُرے کو مل جائے اور نہ حرام و ناجائز ہے کہ اہل اور باصلاحیت بھی اس سے محروم رہیں —— مزید گذارشات سے قبل ترجمہ ملاحظہ فرمائیں :۔

”اور وہ وقت یاد کرو، جب ابراہیمؑ کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا سو وہ ان باتوں کو پوری طرح بجا لایا تو خدا نے فرمایا کہ میں تجھ کو لوگوں کا مقتدر بناؤں گا۔ وہ بولا اور میری اولاد میں سے بھی؟ خدا نے فرمایا میرا یہ عہد و قرار ظالموں کو شامل نہ ہوگا۔ (مولانا احمد سعید دہلویؒ)

ابتلاء

سب سے پہلے تو آپ لفظ ابتلاء پر غور کریں اس کے معنی ”امتحان“ کے ہیں۔ قرآن عزیز کے ایک مخلص خادم کی تحقیق کے مطابق اِبْتلاء اور بَلا عام طور پر اس معنی میں استعمال ہوئے ہیں ویسے اس کے معنی کے لئے فتنہ اور افتتان کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ اس ضروری گذارش کے بعد دیکھنا یہ ہے کہ امتحان سے مقصود کیا ہوتا ہے؟ عام طور پر امتحان سے دو باتیں پیشِ نظر ہوتی ہیں۔ طالب علم کا حال معلوم کرنا اور اس کی قابلیت کا اندازہ لگانا —— اس معنی کے اعتبار سے تو یہاں امتحان اس لئے مراد نہیں ہو سکتا کہ ممتحن اللہ تعالیٰ کی ذات ہے وہ عالم الغیب والشہادۃ ہے اس کا علم ازلی تمام مخلوقات کے احوال کو شامل ہے وہ خوب جانتا ہے کہ کسی کی قابلیت کیا ہے اور کوئی کس درجہ کا مستحق ہے؟ ہاں امتحان سے دوسری بات یہ مقصود

ہوتی ہے کہ طالب علم کی قابلیت و استعداد کا دوسروں پر اظہار ہو جائے تاکہ اس کے بعد جو طالب علم سے سلوک ہو اس پر کسی کو اعتراض اور تعجب کا موقعہ نہ ملے۔ ایک بات اور بھی کہی جا سکتی ہے لیکن اس کا تعلق محض مجرموں سے ہے اور وہ یہ کہ اس پر اپنا جرم ثابت ہو جائے اور سزا پر اظہار تعجب نہ ہو۔ اس کی مثال منافقوں کے لئے جہاد کا حکم ہے کہ اس ذریعہ سے ان کے دل کا نفاق اور چوری سب پر ام نشرح ہو گئی —— بہر حال اللہ تعالیٰ جب امتحان لیتے ہیں تو یہی دوسرا یا تیسرا مقصد پیشِ نظر ہوتا ہے۔ پہلا نہیں اس لئے کہ اس کی انہیں حاجت اور ضرورت نہیں۔ اب آپ یوں کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بندے کا جو امتحان لیتا ہے تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کی ثابت قدمی یا کمزوری ظاہر ہو جائے تو پھر اس کے نتیجہ میں جو اچھا یا بُرا سلوک ہو اس پر کسی کو تعجب نہ ہو۔

ابراہیمی امتحان

ابراہیم علیہ السلام جو اپنی ذات میں انجمن تھے انہیں دوسرے انبیاء کی طرح کئی ایک امتحانات سے دو چار ہونا پڑا لیکن اگر آپ ذرا قرآنی تفصیلات پر غور فرمائیں گے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ ان کے امتحانات کا سلسلہ بڑا ہی طویل تھا۔ خاندان، سوسائٹی اور حکومت کی سنگین مخالفت کے بعد ہجرت اور عزیز اہلیہ اور بچے سے جدائی پھر اپنے نونہال کی قربانی —— الغرض آزمائشیں ہیں، امتحانات ہیں لیکن وہ بندہ خدا ہر مرحلہ میں نہایت اعزاز سے کامیاب ہوتا ہے اور اس کی کامیابی کا خالق کائنات خود اعلان فرماتے اور اس پر انہیں قیادت و امامت کے انعام کا مستحق گردانتے ہیں۔

امامت کا امتیاز

وہ خدا کے نبی تو تھے ہی، ساتھ ”امامت“ سے بھی انہیں سرفراز فرمایا گیا جس کا مفہوم یہ ہے کہ ان کے بعد جس قدر خدا کے نبی تشریف لائے وہ سب ان کی اقتداء پر مامور تھے۔ حتیٰ کہ قرآن عزیز نے جہاں سورۂ احزاب میں محمد عربی صلوات اللہ تعالیٰ علیہ و سلامہ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کی تلقین فرمائی وہاں سورۂ ممتحنہ میں براہیمی اسوہ کو بھی واجب العمل قرار دیا۔ ان کی امامت کا اعلان کس وقت ہوا؟ —— بعض حضرات کے نزدیک نبوّت ملنے سے پہلے اور بعض کے نزدیک اس کے بعد۔ اگر نبوت ملنے سے پہلے یہ وعدہ و اعلان ہوا تو مقصد یہ ہے کہ تبلیغ احکام کا کام آپ کے سپرد کیا جائے گا اور دوسری شکل میں مقصد یہ ہوگا کہ آپ کی امت اور آپ کے مقتدی اور متبعین بڑھاؤں گا اور لوگ بکثرت تمہاری امت میں شامل ہوں گے۔ حضور علیہ السلام سمیت ابراہیم علیہ السلام کے بعد آنے والے تمام انبیاء علیہم السلام انہی کی اولاد میں سے تھے۔ یعنی آپ کے دو صاحبزادوں میں سے حضور نبی مکرم علیہ السلام تو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے اور باقی حضرات حضرت اسحٰق علیہ السلام کی اولاد میں سے۔

اور جب حضور علیہ السلام مبعوث ہوئے تو اس وقت کے یہودی، عیسائی اور مشرکین مکہ تک اپنی نسبت دینِ ابراہیم علیہ السلام کی طرف کرتے لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن عزیز میں ان سب کے دعاوی کو باطل اور غلط قرار دیا اور فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام سے نسبت و تعلق صرف محمدؐ کریم علیہ السلام اور ان کے اتباع کو ہے —— خود حضور علیہ السلام ان کی دعا کا ثمرہ تھے اور امتِ مسلمہ بھی ان کی دعا کا نتیجہ۔ اور حج و قربانی جیسے متعدد اعمالِ خیر ان سے وابستہ و منسوب ہیں اور یہ سب ان کی شانِ امامت کا کرشمہ ہے۔ حضور علیہ السلام نے قربانی

مولانا الیاسؒ اور حضرت مدنیؒ

از حضرت مولانا محمد احتشام الحسن صاحب کاندھلوی

۱۹۲۰ء میں جب حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیر صدارت دہلی میں جمعیۃ علماء ہند کا اجلاس ہو رہا تھا پہلی بار ملاقات ہوئی اس وقت آپ حضرت شیخ الہند کے مخلص خادم تھے

اور میری نگاہوں میں یہی آپ کے دو خصوصی وصف ہیں۔ اخلاص اور جذبہ خدمت۔ آپ بارگاہ امدادیہ سے فیضیاب ہوئے اور دربار رشیدی سے فیوض حاصل کئے آخر میں تا آخر حضرت شیخ الہندؒ سے کسب کمال حاصل کیا۔ غرض ہر طرح دولت اخلاص سے بھرپور اور بادہ عشق سے مخمور ہو گئے حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ جس دریا کا ایک پیالہ بھی ضبط کرنا مشکل ہے (حضرت مدنیؒ) سات سمندر چڑھائے ہوئے ہیں۔ پھر بھی ضبط موجود ہے کیا مجال ہے۔ ساغر چھلک جائے۔

حضرت شیخ الہندؒ کے وصال کے بعد یہ جذبہ خدمت مخلوق خدا کی طرف منتقل ہو گیا ساری مخلوق خدا آپ کی مخدوم تھی اور آپ سب کے ہمدرد خیر خواہ خادم۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے حضرت مدنیؒ سے کہا کہ مسلمانوں کے لئے دعا فرمائیے تو تیز لہجہ میں حضرت مدنی نے فرمایا کیوں کیا غیر مسلم مخلوق خدا نہیں یہی وہ سیادت عامہ تھی جو انبیاء اور رسولوں کو عطا ہوتی ہے اور ان کے ورثہ میں ان کے صحیح جانشینوں اور نائبوں کو عطا کی جاتی ہے۔ سید القوم خادمہم (قوم کا سردار قوم کا خادم ہے) اسی کی ترجمانی ہے۔ پھر جس طرح رسول کی رسالت عام ہوتی ہے۔ اسی طرح اس نائب رسول کی سیادت عام ہوتی ہے۔ اس میں کسی فرقہ یا جماعت کی تخصیص نہیں ہوتی وہ بلاشک و شبہ ہر فرد بشر کا مسلم ہو یا غیر مسلم سردار اور سرتاج ہوتا ہے یہی عالی مقام اللہ رب العزت نے حضرت مدنی کو مرحمت فرما رکھا تھا جس کے وصال کے بعد ساری قوم سردار سے محروم ہو گئی اور انسان بے سہارا رہ گیا اور انسانیت یتیم ہو گئی۔ ایک انسان کامل اٹھ گیا جو دنیا کو انسان بنا رہا تھا اور درس انسانیت بند ہو گیا۔

عم وہ جو بانٹتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے

بے شک دارالعلوم دیوبند درس حدیث سے محروم ہو گیا اور جمعیۃ علماء ہند صدارت سے محروم ہو گئی اور جماعت اہل حق قیادت عامہ سے محروم ہو گئی یہ سب کے سب ناقابل تلافی نقصانات ہیں۔ لیکن پھر بھی دارالعلوم دیوبند کا درس حدیث جاری رہے گا اور جمعیۃ العلماء ہند کا صدر بھی منتخب ہو جائے گا اور جماعت اہل حق کی قیادت بھی فی الجملہ ہو جائے گی۔ البتہ ہندوستان میں جو درس انسانیت ہو رہا تھا اس کے جاری رہنے کی کوئی سبیل نظر نہیں آتی نہ یہ سیادت عامہ کسی کو نصیب ہو گی اور نہ درس انسانیت جاری ہو گا۔ اور یہ ہندوستان کے لئے وہ نقصان عظیم ہے جس کی کوئی بھی تلافی اور مکافات نہیں ہو سکتی اب وہ جذبہ خدمت کہاں سے آئے گا جو دوسروں کی خاطر اپنے کو بالکل قربان اور فنا کر دے ۱۹۴۷ء کے فسادات میں بھائی مولوی ظہیر الحسن شہید کی تعزیت میں کاندھلہ تشریف لائے تو ارشاد فرمایا "ہمت و استقلال کے ساتھ ہندوستان میں جمے رہو میرے مدینہ منورہ میں ذاتی مکانات بھی ہیں اور بھائی بھتیجے بھی مجھے ہندوستان رہنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں پھر بھی میں نے طے کر لیا ہے کہ ہندوستان نہیں چھوڑوں گا۔ اس لئے کہ جو خدمت مخلوق خدا کی یہاں رہ کر کر سکتا ہوں وہ مدینہ منورہ میں نہیں ہو سکتی۔ اسی کشت و خون کے دوران میں بستی حضرت نظام الدین اولیاؒ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کی ملاقات کے لئے تشریف لائے تو حالات سے سخت متاثر تھے غیض و غضب چہرہ مبارک سے عیاں تھا اور بھرائی ہوئی آواز میں فرمایا کہ میں نے تو ہندوستان میں مرنے کا فیصلہ کر لیا" پھر وہ فیصلہ پورا کر کے دکھا دیا۔ ہندوستان میں جئے ہندوستانیوں کے لئے اور بالآخر سب کو داغ مفارقت دے کر سرزمین ہند کے آغوش میں جا سوئے۔ ایسی مقدس ہستیوں کا جینا اور مرنا۔ سونا اور جاگنا۔ ہنسنا اور بولنا سب رضائے الٰہی کے لئے دوسروں کی خاطر ہوتا ہے۔ اپنی ذاتی حیثیت اور منفعت مفقود اور معدوم ہوتی ہے۔ جب عشق خداوندی سینے میں ہر طرح سما جاتا ہے تو مخلوق خدا کے درد۔ عام بھی خواہی اور ہر ایک کی ہمدردی اور خدمت گزاری کا عارضہ لاحق ہو جاتا ہے جو ہر مدح و ذم سے مستغنی اور بے نیاز کر دیتا ہے میں نے حضرت مدنیؒ کی زبانی بارہا یہ مصرعہ سنا

عم عاشق بدنام کو پروائے ننگ و نام کیا

یہ شعر بھی بارہا زبان مبارک سے سنا ؎

پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں
اس عاشقی میں عزت سادات بھی گئی

ایک واقعہ سے آپ کو قدرے اس کا اندازہ ہو گا ایک مرتبہ ایک مقام پہ ایک عربی مدرسہ کے افتتاح کے لئے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب

کے متعلق فرمایا تھا سنۃ ابیکم ابراہیم۔ اور یہ کعبۃ اللہ کا طواف اور صفا و مروہ کی سعی اور زمزم اور جمرات پر پتھروں کا مارنا اور منیٰ کی قربانی سب اس خلیلِ رب علیہ السلام اور ان کے اہل خانہ کے ایثار و قربانی کے آثار ہیں۔

ظالم محروم ہونگے

ہاں خدا نے یہ بات واضح کر دی کہ تمہاری اولاد میں اچھے بُرے دونوں طرح کے لوگ ہوں گے۔ ر

من ذریتهما محسن وظالم لنفسه مبين - (الصافات) اب جو محسن ہیں خدا آشنا ہیں اللہ کے نیک اور صالح بندے ہیں انہیں نسلاً بعد نسلٍ یہ مقامِ رفیع نصیب ہو سکتا ہے اور ہوا لیکن جو ظالم و فاسق ہیں ان کا ہزار نسبی تعلق ہو وہ ان بلندیوں اور رفعتوں تک کبھی نہیں پہنچ سکتے ـــــ گویا اللہ تعالیٰ نے وراثت و صاحبزادگی کے اس لایعنی فلسفہ کی بیخ کنی کر دی۔ کہ باپ کے بعد بیٹا ضرور ہی مسند نشین ہوتا ہے چاہے وہ کتنا ہی احمق و فضول انسان ہو جس طرح آج کل ہمارے یہاں مختلف خانوادوں اور دوسرے شعبہ ہائے زندگی میں ہو رہا ہے ـــــ ہاں اگر کوئی وارث واقعۃً الولد سر لابیہ کا مصداق ہے اس نے معتقدات دینی، روایاتِ ملی اور اعمال و کردار میں اپنے باپ کا عکس قبول کر کے اس منصب کا اپنے آپ کو اہل ثابت کر لیا ہے تو وہ ایسا فرزند صالح قوم و ملت کی قیادت کے لئے دوسروں سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ چاہے برطانوی جمہوریت کے نام لیوا اس کو کچھ ہی نام دیں۔

الغرض

اسلام درحقیقت حسن عقیدہ حسن عمل اور حسنِ کردار پر زور دیتا ہے اس کے دارالامتحان سے جو سند و سرٹیفیکیٹ ملتا ہے اس کی بنیاد محض خونی رشتہ داری نہیں ہوتی بلکہ اس میں عمل و کردار کی دولتِ لازوال کو دیکھا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ ابراہیم خلیل کے بعد اسحٰقؑ، ان کے بعد یعقوبؑ ان کے بعد یوسف علیہ السلام کا سلسلہ ہے جیسے حدیث میں الکریم بن الکریم بن الکریم بن الکریم فرمایا گیا ہے۔ اسی طرح داؤد علیہ السلام کے بعد سلیمان علیہ السلام اور زکریا علیہ السلام کے بعد یحییٰ علیہ السلام وغیرہ متعدد مثالیں ہیں جو یہ واضح کرتی ہیں کہ باصلاحیت اولاد ہر اعزاز و اکرام کی مستحق ہے لیکن لاینال عهدی الظالمین کی روشنی میں نااہل اولاد پر کاہ کے برابر نہیں۔

بہر حال اس آیت سے ہمیں ایثار و قربانی، استقامت علی الدین، خدا کی راہ میں آزمائش و امتحانات اور ان پر مرتب ہونے والے بہترین ثمرات کا پتہ چلتا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل سے ابتلا کی زندگی سے محفوظ فرمائے اور ایسا وقت آ جائے تو صبر و کامیابی کی منزل سے ہمکنار فرمائے

بقیہ : مجلس ذکر

علیہ السلام کے احکامات اور آپ کی لائی ہوئی شریعت کے مطابق زندگی گذارنے کا نام اسلام ہے۔ اور ایسے ہی خوش نصیب کو مسلمان کہا جاتا ہے۔

اسلام پوری زندگی کا نظام ہے۔ زندگی کے ایک ایک لمحہ کو اللہ تعالیٰ کے حکم و ارشاد کے مطابق گذارنا اسلام کا تقاضا ہے۔ آدھا تیتر آدھا بٹیر کا نام اسلام نہیں کوشش اور محنت یہ کریں کہ ایک ایک لمحہ صحیح انداز سے گذرے اور جب لغزش ہو جائے تو توبہ و ندامت کا اہتمام کرنا چاہئے بلکہ ہمیشہ اور ہر وقت خدا سے ڈرتے رہنا چاہئے کہ کہیں کوئی ایسی بات نہ ہو جائے جو خدا کی ناراضگی کا باعث ہو ـــــ جب انسان اپنی جان و مال راہِ خدا میں لگا اور کھپا دیتا ہے تو خدا کی رضا اور جنت کا اس سے وعدہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے اپنے اسلام اور مسلمانی کا جائزہ لے کر اصلاح کی خوب خوب فکر کریں ـــــ اللہ رب العزت ہمیں صحیح مسلمان بنائے۔

کو بلایا گیا راقم الحروف ہمراہ تھا دہلی اسٹیشن پر جا کر معلوم ہُوا کہ حضرت مدنیؒ بھی مدعو ہیں اور اسی گاڑی سے تشریف لے جا رہے ہیں چنانچہ دونوں بزرگ ساتھ اس مقام پر پہنچے داعیوں نے پرتپاک خیر مقدم کیا جمعہ کا دن اور جمعہ کا وقت تھا ریلوے سٹیشن سے اتر کر سیدھے جامع مسجد پہنچے جہاں بعد نماز جلسہ تھا اور اسی مقام پر مدرسہ کا افتتاح تھا۔ نماز جمعہ سے قبل ایک بڑے میاں نے حضرت مدنیؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت یہاں پہلے سے ایک عربی مدرسہ موجود ہے جو مالی مشکلات کی وجہ سے نہیں چل رہا ہے۔ یہ لوگ اس کی مخالفت میں دوسرا مدرسہ جاری کر رہے ہیں۔ دو مدرسے کس طرح چل سکیں گے"! حضرت مدنیؒ نے تحقیق فرمایا تو بات سچ تھی۔ چنانچہ حضرت مدنی نے بعد نماز جو تقریر فرمائی تو اس میں جدید مدرسہ کے افتتاح کی تردید فرمائی اور باہم اتفاق واتحاد کے ساتھ قدیم مدرسہ کی ترقی میں کوشش کی ترغیب دی۔ حضرت کی تقریر کے بعد دیکھا تو اصل داعی غائب تھے۔ میں نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ داعیوں میں سے کوئی بھی موجود نہیں اور ریل کا وقت ہے بہتر یہ ہے کہ اسٹیشن تشریف لے چلیں۔ ورنہ یہاں رات کو پریشان ہونا پڑے گا۔ اور دوسری گاڑی علی الصباح ملے گی۔ حضرت مدنی نے فرمایا بلا میزبان کی اجازت کے کس طرح جا سکتے ہیں؟ دیر تک انتظار کے بعد ایک لڑکا آیا اور کہا کہ کھانے کے لئے بلایا ہے۔ ہم اس کے ساتھ ہو لئے بارش ہو رہی تھی راستہ کیچڑ کی وجہ سے ناقابل گزر تھا بمشکل دور دراز ایک مکان پر پہنچے وہاں بھی کوئی موجود نہ تھا۔ اسی لڑکے نے ایک بڑے پیالے میں گرم پانی (شوربا) جس میں نہ نمک تھا اور نہ مرچ اور چند سوکھی ہوئی موٹی روٹیاں لاکر سامنے رکھیں اور خود غائب ہوگیا۔ دونوں بزرگوں نے کھانا شروع کیا اور حضرت مدنیؒ نے ہنس کر فرمایا یہ روٹی ویسے نہیں نہ کھائی جائیگی ٹکڑا منہ میں رکھ کر پانی سے نگل لو۔ یہاں پہلے بھی تبلیغی سلسلے میں آنا ہُوا تھا اور کچھ لوگوں سے واقفیت تھی مگر اس وقت کوئی بھی نظر نہ آیا تھوڑی دیر میں صاحب مکان آیا اور وہ ہمیں دیکھ کر بہت خوش ہُوا اور کہا مجھے کیا خبر تھی کہ تم لوگ ہو مجھ سے تو یہ کہا گیا تھا کہ کانگریسی مولوی آئے ہوئے ہیں ان کی روٹی کرادو سو میں نے یہ پکوا دیا۔ اور وہ روٹی سالن اٹھا کر لے گیا فوراً چائے اور مختلف کھانے کی چیزیں لایا اور رات کو نہایت پر تکلف لذیذ کھانے کھلائے اور ہر طرح خاطر مدارات کی۔ میرا خیال تھا کہ حضرت مدنیؒ کانگریسی مولوی کے لفظ سے متاثر ہوں گے مگر اللہ رے عالی ظرفی نہ ان پر اس کا کچھ اثر تھا اور نہ داعیوں کی بے پروائی کی پروا۔ اسی انبساط و فرحت کے ساتھ سوکھی روٹی کھا رہے تھے اور اسی فرحت و انبساط کے ساتھ مرغن کھانے کھائے نہ پہلے میزبانوں کو کچھ کہا اور نہ دوسرے میزبان کی دلداری میں کوئی کسر چھوڑی۔ یہ ہے بے نفسی اور بے غرضی اور خلوص وللہیت کی کھلی مثال۔

ایک مرتبہ کھتولی میں تبلیغی جلسہ تھا۔ حضرت مولانا محمد الیاسؒ صاحب کی ہمرکابی میں کھتولی پہنچے ریل سے اتر کر معلوم ہُوا کہ ہاتھی وغیرہ آئے ہیں اور سٹیشن سے جلوس کی شکل میں جانا ہوگا۔ ہم نے یہ کہہ کر کہ یہ تبلیغی اصول کے خلاف ہے جلوس سے انکار کر دیا اور ایک معمولی یکہ میں بیٹھ کر سیدھے قیام گاہ پر پہنچ گئے۔ دوران جلسہ میں معلوم ہُوا کہ کانگرس کا بھی جلسہ ہے اور حضرت مدنیؒ بھی تشریف لائے ہوئے ہیں۔ اس کی مخالفت میں یہ جلسہ کیا گیا ہے۔ حضرت مولانا محمد الیاسؒ صاحب نے فوراً اپنی تقریر کو بند کر دیا اور فرمایا حضرت مدنیؒ تشریف لائے ہوئے ہیں سب صاحبان چل کر ان کی تقریر سنیں۔ اور اپنے جلسہ کو بند کر کے اس مقام پر پہنچے جہاں کانگرس کا جلسہ ہو رہا تھا تو معلوم ہُوا کہ حضرت مدنیؒ کو جب اس کا علم ہُوا کہ تبلیغی جلسہ ہے اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحب تقریر فرما رہے ہیں تو اپنی تقریر کو ختم کر دیا اور ان لوگوں کو تبلیغی جلسہ میں شرکت کی ہدایت فرما کر دیوبند روانہ ہوگئے۔ جلسہ نہ یہاں ہُوا اور نہ وہاں ہُوا دونوں بزرگ چل بسے مگر آنے والی نسلوں کے لئے اپنے خلوص وللہیت کی ایک مثال قائم کر گئے۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کو جو قلبی تعلق حضرت کے ساتھ تھا وہ بھی اپنی آپ ہی نظیر تھا۔ فرمایا کرتے تھے اگر یہ تبلیغی کام کی رکاوٹ نہ ہوتی تو حضرت مدنیؒ سے بیعت کر لیتا اور ان کے کام میں شریک ہو جاتا۔ اور اگر کسی وقت کسی وجہ سے یہ تبلیغی کام چھوٹ گیا تو پھر حضرت مدنی کے ساتھ مل کر کام کروں گا اور اگر کسی وقت حضرت مدنی سے کانگرسی کام چھوٹ گیا تو پھر وہ بھی وہی کام کریں گے جو میں کر رہا ہوں فرمایا کرتے تھے کانگرس کی شرکت کے لئے بس اتنا کافی ہے کہ حضرت مدنی اس میں شریک ہیں۔

حضرت مولانا محمد الیاسؒ صاحب تو اپنی تبلیغی انہماک کے ساتھ واصل بہ حق ہوئے۔ لیکن حضرت مدنی نے کانگرس کے کام کو انجام تک پہنچانے کے بعد وہ کام شروع فرمایا جس کو حضرت مولانا محمد الیاسؒ صاحب کرنا چاہ رہے تھے جس کی تفصیل آئندہ معلوم ہو جائے گی۔

حضرت مدنی کی کانگرس میں شمولیت اور سیاسی جلسوں کی شرکت کو عام طور پر ایک سیاسی سرگرمی خیال کیا جاتا ہے لیکن اگر حقیقت پر غور کیا جائے تو یہ محض سیاسی سرگرمی نہ تھی بلکہ عشق خداوندی کا مظاہرہ تھا اور جہاد فی سبیل اللہ کا کارنامہ۔ آپ نے وادی عشق میں قدم جمانے کے بعد نگاہ اٹھا کر دیکھا تو بارگاہ خداوندی کا اصل باغی برطانیہ کو پایا جو پوری فرعونیت اور شیطنت پر اتر ہُوا تھا اور ہر طرح سے مخلوق خدا کو جادہ حق

سے بھٹکا رہا تھا۔ پھر کیا تھا اس کی نفرت وعداوت جزو قلب میں اتر گئی۔ اور اس دشمن حق کی پامالی پر اتر آئے۔ برطانیہ سے یہ نفرت وعداوت محض اس لئے نہ تھی کہ وہ سفید فام غیر ملکی قوم ہے بلکہ اس کا اصلی مبنا یہ تھا کہ انسانیت کی راہ میں سب سے بڑا سنگین پتھر برطانیہ کی ذات تھی جو کسی طرح مخلوق خدا کا خدا کی راہ پر چلنا گوارا نہ کرتی تھی۔ پس آپ نے ضروری سمجھا کہ اس آہنی دیوار کو جس طرح ممکن ہو توڑا جائے اور انسانیت کی راہ کو ہموار اور کشادہ کیا جائے اور پورے ستائیس سال ہر اس طریق سے برطانیہ کے خلاف جہاد کیا جو ممکن نظر آیا۔ کانگرس کی اسٹیج آپ کی دُور بین نگاہوں میں محض ایک جلسہ گاہ نہ تھی بلکہ برطانیہ کے خلاف محاذ جنگ کا ایک زبردست مورچہ تھا جس پر جم کر وہ دشمن حق پر وار کر رہے تھے۔ بالآخر فتح کامل نصیب ہوئی برطانوی اقتدار کا خاتمہ ہُوا اور یہ آہنی دیوار پاش پاش ہوئی۔ جب مقصد پورا ہو گیا تو حضرت مدنیؒ کی وہ ساری سیاسی سرگرمیاں ختم ہوگئیں اب نہ سیاسی جلسوں کی شرکت رہی اور نہ حکومت و وزارت کے کاموں سے کوئی خاص دلچسپی باقی رہی اور بالآخر وہ کام تیزی کے ساتھ شروع کر دیا گیا جس کے لئے اس آہنی دیوار کو توڑا گیا تھا۔ اور برطانوی اقتدار کو ختم کیا گیا تھا اور پوری سرگرمی کے ساتھ انسانیت کا درس شروع فرما دیا۔ جاننے والے بخوبی جانتے ہیں کہ وہ حضرت مدنی جن کی کبھی کوئی مذہبی تقریر بھی سیاست اور برطانوی مخالفت سے خالی نہ ہوتی تھی حصول آزادی کے بعد ان کی زبان مبارک سیاست سے بالکل ناآشنا ہوگئی اور ہر وعظ و تقریر کا لب لباب اور اصل خلاصہ صرف دو لفظ ہوتے تھے۔ علم اور ذکر یعنی معرفت خداوندی اور تعلق خداوندی۔ اور یہی وہ اہم امور ہیں جن پر ساری انسانیت منحصر اور موقوف ہے جن کو بتانے اور سمجھانے کے لئے انبیاء اور رسولوں کو بھیجا گیا اور انسانیت کی راہ دکھائی گئی حضرت مدنیؒ نے یہ درس انسانیت کا کام جس انہماک اور سرگرمی کے ساتھ شروع فرمایا اس کے مقابلہ میں تمام سیاسی سرگرمیاں ماند پڑ گئیں بڑھاپے اور ضعف کے باوجود دُور دُور کے سفر اور ہزاروں لاکھوں ناواقفوں کو درس معرفت۔ ایک مرتبہ کاندھلہ تشریف لائے تو میں نے اپنا رسالہ دین خالص پیش کیا فرمایا "دیکھنے کی بالکل فرصت نہیں اسفار میں ملنے والے بالکل مہلت نہیں دیتے دیوبند کے قیام میں اسباق کی مشغولی رہتی ہے۔ ڈیڑھ سو طالب علم ہیں ان میں سے نصف بھی ایک ایک سوال کرتا ہے تو بہت وقت صرف ہو جاتا ہے۔ ہر ایک کو تسلی بخش جواب دینا پڑتا ہے ڈاک دیکھنے کی بھی مہلت نہیں ملتی پانچ پانچ سو خطوط کا انبار لگ جاتا ہے۔ مدرسہ والوں سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے تعلیم سے سبکدوش کر دیں مگر وہ اس کو منظور نہیں فرماتے۔ میں نے عرض کیا۔ اگر مدرسہ والوں نے سبکدوش کر دیا تو حضرت کا سارا وقت سفر میں گزرے گا۔ ہنس کر فرمایا "میرے پیر میں تل ہے جس کے یہ تل ہوتا ہے اس کے سفر بہت ہوتے ہیں۔ گویا مدرسہ کے اسباق سے سبکدوشی کی یہ درخواست بھی اپنے راحت و آرام کے لئے نہ تھی بلکہ محض اس لئے کہ جہاں تک بھی ہو سکے اس پیام انسانیت کو پہنچا دیا جائے اگر دس بارہ ... درس انسانیت قائم رہتا تو دنیا کچھ سے کچھ ہو جاتی اور انسانیت کا جلوہ دکھائی دینے لگتا۔ افسوس یہ درس کا سلسلہ ایسا بند ہُوا ہے کہ مستقبل قریب میں اس تیز رفتاری کے ساتھ اس کے جاری ہونے کی کوئی سبیل نہیں کاش حضرت کے محبین اور متوسلین اس سلسلہ درس کو قائم رکھیں۔

"ہر مروے از غیب بیروں آید و کارے بکند"

حضرت مدنی سے آخری ملاقات گزشتہ سال ماہ جمادی الاولیٰ میں ہوئی میں ایک عزیز کی تعزیت میں شیخوپورہ گیا ہُوا تھا واپسی بڑوت کو ہوئی کاندھلہ پہنچ کر معلوم ہُوا کہ بڑوت میں آج جلسہ تھا حضرت مدنیؒ تشریف لائے ہوئے تھے اپنی اس بے خبری اور زیارت سے محرومی پر بے حد افسوس ہُوا۔ ابھی چند روز پہلے میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں حضرت مدنی کی شکل و صورت میں زیارت کی تھی۔ اس لئے حضرت مدنی کی زیارت کا اشتیاق زیادہ تھا۔ تھوڑی دیر بعد معلوم ہُوا کہ حضرت مدنی کی واپسی کاندھلہ کو ہوگی اور شب میں قیام ہوگا یہ سن کر طبیعت باغ باغ ہوگئی۔ چنانچہ حضرت مغرب کے بعد تشریف لے آئے میں نے حضرت کے مزاج اور طبیعت کی واقفیت کے باوجود فرط اشتیاق میں حضرت کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ حضرت نے ایسی طرح ہاتھ کو کھینچا کہ حضرت اور میں دونوں گرتے گرتے بچ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے معذرت چاہی تو ارشاد فرمایا بہت سے خلاف شرع امور رائج ہو رہے ہیں ان میں ایک خلاف سنت کام کا اضافہ کیوں کیا جائے۔ میں نے اس واقعہ کو اس لئے نقل کیا تاکہ یہ اندازہ ہو جائے کہ حضرت مدنیؒ قدس سرہ کا اصل جذبہ خلاف شرع اور خلاف سنت امور کے ساتھ جہاد تھا اور حضرت چاہتے تھے کہ تمام خلاف شریعت اور خلاف سنت امور کو روئے زمین سے نیست و نابود کر دیں۔ اس لئے کہ یہی وہ اصلی کانٹیں ہیں جو انسانیت کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔ افسوس صد افسوس کہ اپنی بیماری اور معذوری کی وجہ سے پھر حضرت کی زیارت سے محرومی رہی حق تعالےٰ اپنے فضل و کرم سے آخرت میں ملائے۔

یہ چند بے ربط باتیں اس توقع میں لکھ دی کہ شاید ان کے طفیل میں میرا بھی حضرت مدنی کے محبین میں شمار ہو جائے جو میرے لئے سعادت عظمیٰ اور نعمت کبریٰ ہے۔ وما توفیقی الا باللہ ط

(محمد احتشام الحسن۔ کاندھلہ ضلع مظفر نگر ۳۰ دسمبر ۱۹۵۷ء)

ایک عظیم داعی

وحیدالدین خاں

۲ اپریل ۱۹۶۵ کی شب کو تین بجے ایک ہوائی جہاز دہلی کے ہوائی اڈہ پر اترا۔ اس میں ایک مسافر تھا جو لاہور سے دہلی لایا گیا تھا۔ مسافر کی آمد ٹھیک اپنے پروگرام کے مطابق ہوئی۔ مگر اس طرح کہ اس کا جسم تو دہلی آیا اور روح اپنے رب کے پاس ابدی آرام کے لئے پہنچ چکی تھی۔

یہ مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ وہ فروری ۱۹۶۵ء کے دوسرے ہفتہ میں براستہ لاہور ڈھاکہ کے اجتماع میں شرکت کے لئے گئے تھے۔ اس سلسلے میں مشرقی پاکستان کے مختلف مقامات کا دورہ کرتے ہوئے دوبارہ مغربی پاکستان واپس آئے اور یہاں بھی مختلف شہروں میں ان کا بہت مصروف پروگرام رہا اس سفر کی آخری منزل لاہور تھی۔ وہاں کے اجتماعات کی کارروائیوں میں بھی مکمل شرکت کی۔ اس کے بعد ۲ اپریل کو جمعہ کے دن بذریعہ ٹرین سہارنپور کے لئے روانہ ہونے والے تھے کہ اسی دن اچانک قلب کا حملہ ہوا اور ۲ بجے دن میں انتقال ہو گیا۔ انتقال کے بعد جنازہ رات کو لاہور سے دہلی لایا گیا۔

مولانا محمد یوسف صاحب ۲ مارچ ۱۹۱۷ء کو پیدا ہوئے۔ اپنے والد مرحوم مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد ۱۲ جولائی ۱۹۴۴ء کو تبلیغ کا کام سنبھالا اور اکیس سال تک برابر اسی کام میں لگے رہے۔ اور اس مختصر مدت میں اتنی زبردست کامیابی حاصل کی کہ وہ تحریک جو "میوات کے ان پڑھ مسلمانوں کو کلمہ و نماز سکھانے کی تحریک" کے نام سے مشہور تھی اس کو پہلے ملکی پھر بین الاقوامی تحریک بنا دیا اور ہر طبقہ اور ہر ذہنی سطح کے لوگوں کو اس کثرت سے متاثر کیا کہ ایک بزرگ کے الفاظ میں "اس کی نظیر قریب کی پچھلی صدیوں میں تلاش کرنے سے بھی مشکل سے ملے گی"۔

مولانا محمد منظور نعمانی صاحب مدظلہ راوی ہیں کہ مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے چند مہینے بعد مراد آباد میں ایک تبلیغی اجتماع ہو رہا تھا۔ تبلیغ کے لئے اوقات دینے کا رواج اس وقت تک میوات سے باہر بہت ہی کم ہوا تھا۔ فجر کی نماز کے بعد مولانا محمد یوسف صاحب نے تقریر کی اور اس کے بعد اوقات کا مطالبہ شروع ہوا۔ مگر بہت کم لوگوں نے اپنے نام لکھوائے۔ بجنور، چاندپور اور رام پور جیسے قریبی مقامات کے لئے دس دس آدمیوں کی جماعتیں بھی نہیں بن سکی تھیں۔ کئی آدمی ترغیب دلانے میں مصروف تھے اور اپنا پورا زور لگا رہے تھے۔ مگر ناموں میں بالکل اضافہ نہیں ہو رہا تھا۔ مولانا یوسف صاحب جو تقریر کرنے کے بعد مسجد کے اندرونی حصے میں چلے گئے تھے۔ لوگوں کی سرد مہری دیکھ کر یکایک اٹھے اور مائیکروفون ہاتھ میں لے کر فرمانا شروع کیا کہ "آج تم بجنور، چاندپور اور رام پور جیسے قریبی مقامات کے لئے اور صرف تین تین دن کا وقت دینے کے لئے تیار نہیں ہو رہے ہو، ایک وقت آئے گا جب تم شام جاؤ گے، مصر جاؤ گے، عراق جاؤ گے۔ مگر اس وقت اجر گھٹ جائے گا۔ کیونکہ اس وقت اس کا عام رواج ہو چکا ہوگا"۔ مولانا محمد یوسف کی یہ بات چوبیس برس پہلے ایک خیالی بات معلوم ہوتی تھی، آج واقعہ بن چکی ہے۔ تبلیغی جماعتوں کی نقل و حرکت آج نہ صرف شام و عرب بلکہ یورپ، جاپان، امریکہ، افریقہ اور اقصائے مشرق سے اقصائے مغرب تک پھیلی ہوئی ہے۔ یہ کہنا شاید مبالغہ نہ ہوگا کہ رات دن کا کوئی لمحہ ایسا نہیں ہوتا جب تبلیغی جماعت کے وفود دنیا کے مختلف حصوں میں گشت نہ کر رہے ہوں۔

دعوت میں انہماک

مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جن لوگوں نے بھی قریب سے دیکھا ہے (اور ایسے لوگ بلاشبہ ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ مولانا کو اپنی دعوت میں کس قدر انہماک تھا۔ ایک صاحب جو لاہور میں نماز فجر کے بعد مولانا کی ایک تقریر میں شریک تھے، فرماتے ہیں کہ نماز کے بعد مولانا نے تقریر شروع کی اور پورے تین گھنٹے تک انتہائی جوش و خروش کے ساتھ مجمع کو خطاب کرتے رہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی لاوا پھوٹ پڑا ہے اور ماحول کو گرمائے نہیں بلکہ پگھلائے جا رہا ہے۔ ۸½ بجے خطاب ختم ہوا اور ناشتہ کا دسترخوان بچھایا گیا۔ مولانا نے دسترخوان پر بیٹھتے ہی پھر گفتگو شروع فرما دی اور اس انداز سے الفاظ زبان سے نکلنے لگے کہ گفتگو کے زور استدلال کی ندرت اور مطالب کی آمد کو دیکھ کر کوئی شخص یہ تصور نہیں کر سکتا تھا کہ یہ وہی شخص ہے جو ابھی تین گھنٹے کے زوردار خطاب سے فارغ ہوا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا گویا ایک بالکل تازہ دم خطیب ہے جو بول رہا ہے۔

یہ ناشتہ کی مجلس تھی۔ مگر مولانا اپنی دعوت کی وضاحت میں اس قدر

مستغرق تھے کہ انہوں نے ناشتہ کی جانب کوئی توجہ نہیں کی۔ ایک رفیق نے چائے کی پیالی پیش کی تو آپ نے پکڑ لی۔ دس پندرہ منٹ تک وہ یونہی پیالی ہاتھ میں پکڑے رہے اور پھر ایک شریک مجلس کے توجہ دلانے پر آپ نے وہ چائے جو اب پانی کی طرح ٹھنڈی ہو چکی تھی، حلق میں انڈیل لی۔ دوسری پیالی یہ کہہ کر پیش کی گئی کہ حضرت یہ گرم ہے، پی لیجئے اور یہ بسکٹ بھی تناول فرمائیے۔ مگر اللہ کے اس بندے نے اس پیالی کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا۔ گفتگو میں مستغرق رہے اور دس پندرہ منٹ بعد اسے بھی پانی کی طرح پی لیا۔

اس کے بعد اٹھے اور ایک دوسرے اجتماع میں تقریر کے لئے تشریف لے گئے۔ اور یہ پہلے سے معلوم تھا کہ دوپہر سے قبل ایک تیسرا خطاب بھی کرنا ہے ۔۔۔ یہ کوئی استثنائی واقعہ نہیں ہے۔ بلکہ یہی آپ کی روزانہ کی زندگی تھی۔

مولانا کے ایک رفیق خاص راوی ہیں:

"میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ وہ تقریر شروع فرمانے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ اور مراقب ہوتے تھے اور اس کے بعد تقریر شروع فرماتے تھے اور پھر ان کو خود اپنی بھی خبر نہیں رہتی تھی۔ اب سے ۸-۱۰ سال پہلے کا واقعہ ہے۔ بھوپال میں اجتماع تھا۔ ان دنوں حضرت مولانا مرحوم کی ران میں ایک بہت بڑا زخم تھا جس کا حال یہ تھا کہ حرکت کرنے سے اور زور سے تقریر کرنے سے اس میں خون جاری ہو جاتا تھا۔ مولانا اسی حال میں بھوپال تشریف لائے اور اپنی عادت کے مطابق اجتماع میں تقریریں بھی فرمائیں۔ زخم کی تکلیف کافی بڑھ گئی۔ بھوپال سے فارغ ہونے کے بعد وہاں سے ۴۰-۵۰ میل کے فاصلہ پر ایک اور اجتماع طے تھا۔ حضرت مولانا وہاں بھی تشریف لے گئے۔ لیکن طے یہ ہوا کہ یہاں مولانا تقریر نہیں فرمائیں گے۔ بلکہ فلاں ساتھی کی تقریر ہوگی۔ مگر ساتھی کی تقریر کے بعد مولانا کو احساس ہوا کہ دعوت، قوت کے ساتھ نہیں دی جا سکی۔ تو اپنے اندرونی جذبہ سے مغلوب ہو کر خود تقریر کے لئے اصرار فرمایا۔ حالت یہ تھی کہ بیٹھنے کے لائق بھی نہیں۔ چنانچہ لیٹ کر بولنا شروع کیا۔ ادھر زخم کی یہ حالت ہوئی کہ اس میں سے خون جاری ہو گیا۔ ایک کپڑا لگا دیا جاتا۔ جب وہ بالکل تربتر ہو جاتا تو دوسرا کپڑا لگا دیا جاتا۔ اس طرح کئی کپڑے خون سے بھر گئے۔ اور مولانا نے عادت کے مطابق تقریر فرمائی۔ اندازہ ہے کہ اس تقریر کے دوران کم از کم آدھا سیر خون مولانا کے جسم سے ضرور نکل گیا ہوگا۔ مگر اللہ کے اس بندے کو کچھ پتہ نہیں تھا کہ کیا ہو رہا ہے"۔

گھر کے لوگ خاص طور پر بیوی کو جتنی خبر کسی شخص کی ہوتی ہے، اتنی دوسروں کو نہیں ہو سکتی۔ مولانا کی اہلیہ جو اب مرحومہ ہو چکی ہیں دق کی مریضہ تھیں۔ اور آخر میں حالت کافی خراب ہو گئی۔ مگر مولانا کے اوقات میں ان کا حصہ بہت کم ہوتا تھا۔ یہ دیکھ کر ایک صاحب نے اپنی بیوی کو مولانا کی اہلیہ کے پاس بھیجا۔ اور یہ بھی ہدایت کر دی کہ اس بارے میں تم ان سے ایسی طرح کی جذباتی باتیں کرنا کہ ان کے دل کی بات زبان پر آ جائے اور اگر مولانا سے انہیں کوئی شکایت ہو تو ظاہر ہو جائے۔ چنانچہ راوی موصوف کی اہلیہ نے مرحومہ سے بات کی۔ ان کا بیان ہے کہ انہوں نے مولانا کی طرف سے خود مدافعت کی اور کہا کہ "وہ دن رات دین کی فکر اور دین کے کام میں لگے رہتے ہیں، انہیں اپنا بھی ہوش نہیں ہے۔ میں نے خود ہی ان سے کہہ دیا ہے آپ میری فکر بالکل نہ کریں۔ دوا علاج ہو ہی رہا ہے۔ اگر اللہ نے جنت میں جمع فرما دیا تو وہاں اطمینان سے رہنے کا موقع ملے گا"۔ چند مہینوں کے بعد اسی مرض میں خاص نماز کی حالت میں مرحومہ کا انتقال ہو گیا۔

آپ کی دعوت

یہ تڑپ اور لگن کس کام کے لئے تھی۔ صرف اس لئے کہ لوگوں کے اندر دین کا صحیح تصور آ جائے اور زندگیاں اس کے مطابق چل پڑیں۔ مولانا کے نزدیک ایمان کا مطلب ایک لفظ میں یہ تھا کہ "اللہ سے سب کچھ ہوتا ہے، چیزوں سے کچھ نہیں ہوتا"۔ ایک مرتبہ فرمایا:

"کام یہ ہے کہ کام کرنے والے کا اس بات پر یقین قائم ہو جائے جس کے کرنے سے کام ہوگا۔ یعنی اللہ جل جلالہ کی ذات پر، اور اس کی حیثیت کام کرنے والے پر ایسی منکشف ہو کہ اپنی ذات اور کوئی دوسری ذات دکھائی نہ دے۔ دوسرا یقین یہ ہو کہ جب میں ظاہر و باطن سے حضور کے طریقوں پر آ جاؤں گا تو رب العزت دنیا و آخرت میں اچھے حالات لائے گا"۔

ایک تقریر میں فرمایا:

"محنت کے دو میدان ہیں۔ ایک زمین اور زمین سے پیدا ہونے والی چیزیں۔ دوسرے ایمان اور ایمان والے اعمال۔ پہلی محنت کا معاوضہ دنیا میں ملتا ہے۔ لیکن ایسا نہیں ملتا کہ محنت کرنے والے اس پر خوش اور مطمئن ہوں۔ دوسری محنت کا معاوضہ دنیا و آخرت میں اللہ تو بھرپور دے گا۔ مولانا کے نزدیک دنیوی غلبہ اسلامی زندگی کا نتیجہ تھا۔ فرمایا:

"تم حضور کے نمونہ پر بننا شروع کر دو۔ جتنا بننا ہوگا بن جائے گا اور جو بننے والا نہیں ہوگا اور بننے والوں کے لئے رکاوٹ بنے گا خدا اسے اس طرح توڑ دے گا جیسے انڈے کے چھلکے کو توڑ دیتا ہے تم جن کو بڑی طاقتیں کہتے ہو، خدا کے نزدیک ان کی حیثیت مکڑی جالے کے برابر بھی نہیں ہے۔ اس دنیا میں پاکیزہ انسانوں کے ہونے کی وجہ سے مکڑیوں کے بڑے بڑے جالے لگ گئے تھے

جب حضور کی سعی سے پاکیزہ انسان بن گئے تو خدا نے عذاب کی ایک جھاڑو سے رُوم وفارس کے جالے صاف کر دئے تھے۔ بالکل یہی صورت روس اور امریکہ کی ہوگی"۔

ایک طویل مکتوب کے چند فقرے یہ ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی تمام کامیابیوں کا دار و مدار انسان کے اندرونی مایہ پر رکھا ہے۔ کامیابی اور ناکامی انسان کے اندر کے حال کا نام ہے..... اللہ جل شانہٗ ملک و مال کے ساتھ انسان کو ذلیل کر کے دکھا دیں اور فقر کے نقشہ میں عزت دے کر دکھا دیں انسان کے اندر کا یقین اور اندر سے نکلنے والے عمل اگر ٹھیک ہوں گے تو اللہ جل شانہٗ کامیابی کی حالت پیدا فرما دیں گے خواہ چیزوں کا نقشہ کتنا ہی پست کیوں نہ ہو..... جو کچھ قدرت سے بنا ہے وہ قدرت کے ماتحت ہے..... ہر شکل پر خواہ ملک کی ہو یا مال کی، برق کی ہو یا بھاپ کی، ان کا ہی قبضہ ہے اور وہ ہی تصرف فرماتے ہیں۔ جہاں سے انسان کو تعمیر نظر آتی ہے وہاں سے تخریب لا کر دکھا دیں۔ اور جہاں سے تخریب نظر آتی ہے وہاں سے تعمیر لا کر کے دکھا دیں۔ .... اللہ جل شانہٗ کی ذات عالی سے تعلق پیدا ہو جائے اور ان کی قدرت سے براہ راست استفادہ ہو، اس کے لئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف سے طریقے لے کر آئے ہیں۔ جب ان کے طریقے زندگیوں میں آئیں گے تو اللہ جل شانہٗ ہر نقشے میں کامیابی دے کر دکھائیں گے..... آج امت میں کسی حد تک انفرادی اعمال کا رواج ہے گو ان کی حقیقت نکلی ہوئی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے طفیل پوری امت کو دعوت والی محنت ملی تھی اس کے بندوں کا تعلق اللہ جل شانہٗ سے قائم ہو جائے۔ اس کے لئے انبیاء علیہم السلام والے طرز پر اپنی جان و مال کو جھونک دینا اور جن میں محنت کر رہے ہیں ان سے کسی چیز کا طالب نہ بننا، اس کے لئے ہجرت بھی کرنا اور نصرت بھی کرنا..... اس راستہ میں محنت کرنے والوں کی دعائیں بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام کی دعاؤں کی طرح قبول ہوتی ہیں۔ یعنی جس طرح ان کی دعاؤں پر اللہ جل شانہٗ نے ظواہر کے خلاف اپنی قدرت کو استعمال فرما کر ان کو کامیاب فرمایا اور باطل خاکوں کو توڑ دیا اسی طرح اس محنت کرنے والوں کی دعاؤں پر اللہ جل شانہٗ ظواہر کے خلاف اپنی قدرت کے مظاہرے فرمائیں گے۔ اور اگر عالمی بنیاد پر محنت کی گئی تو تمام اہل علم کے قلوب میں ان کی محنت کے اثر سے تبدیلیاں لائیں گے"۔

لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ "چیزوں میں سے چیزیں نکل رہی ہیں اور چیزوں میں سے اثرات و خواص ظاہر ہو رہے ہیں" مگر مولانا کے نزدیک انبیاءؑ کے ذریعہ جو حقیقت انسانوں پر کھولی گئی ہے وہ یہ ہے وہ یہ ہے کہ "جو کچھ چیزوں سے بنتا ہوا اور ظاہر ہوتا ہوا نظر آتا ہے، یہ چیزوں سے نہیں بنتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور امر سے بنتا ہے"۔ اگر یہ حقیقت ذہنوں میں پوری طرح بیٹھ جائے تو مولانا کے الفاظ میں "بازار کے نقشوں سے اساس زندگی ہٹ کر دعاؤں پر آجاتی ہے اور بڑے سے بڑا اور مشکل سے مشکل مرحلہ خداوند قدوس کی قدرت کاملہ سے آسان سے آسان بن جاتا ہے" مولانا کی تقریریں جن لوگوں نے سنی ہیں وہ جانتے ہیں کہ مولانا کا سب سے زیادہ زور اس حقیقت کو ذہن نشین کرانے پر ہوتا تھا کہ محنت اور کوشش کا اصل میدان کیا ہے۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ زراعت، تجارت، ملازمت وغیرہ محنت کے میدان ہیں۔ اسی طرح اجتماعی مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے لوگ جن چیزوں پر انحصار کرتے ہیں وہ الکشن اور حکومت پر اثر ڈالنے اور اس پر قبضہ کرنے کی دوسری کوششیں ہیں۔ مگر مولانا کا کہنا تھا کہ یہ چیزیں مثل بجلی کے بلب اور پنکھے کے ہیں۔ بلب اور پنکھے پر عمل کر کے ہم نہ انہیں روشن کر سکتے ہیں اور نہ چلا سکتے ہیں، بلکہ اس کے لئے بجلی کے بٹن تک ہاتھ پہنچانے کی ضرورت ہے، اسی طرح اگر خدا سے تعلق پیدا ہو جائے تو سب کچھ ہو سکتا ہے اور اگر تعلق پیدا نہ ہو تو ساری کوشش کے باوجود کوئی نتیجہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

طریق کار

اس مقصد کے لئے مولانا کا طریق کار نہایت سادہ تھا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ مسجدوں کو ان کے اعمال کے ساتھ زندہ کرنے کی کوشش۔ گشت اور سفر جس پر مولانا بہت زور دیتے تھے، اس کا مقصد بھی حقیقتاً آدمی کو "مسجد والا" بنانا تھا۔ اس کا فلسفہ یہ تھا کہ لوگوں کو اُن کی روزمرہ کی دنیوی مصروفیتوں سے نکال کر کچھ دنوں کے لئے ایک خاص طرح دینی فضا میں رکھا جائے۔ جب کہ آدمی عبادات و اذکار میں وقت گزارے دوسروں کو دینی زندگی اختیار کرنے کی تلقین کرے، اور اس طرح تربیت یافتہ ہو کر جب اپنے وطن واپس آئے تو آئندہ مسجد والی زندگی میں مصروف ہو جائے۔ مسجد والی زندگی ہی مولانا کے نزدیک دنیا و آخرت کی کامیابی کی ضامن تھی۔

ایک جماعت کے نام خط میں اس طرح طریق کار کی وضاحت فرماتے ہیں:

"دنیا سے مناسبت پیدا کرنے کے لئے ہر شخص سے خواہ کسی شعبہ سے متعلق ہو، چار ماہ کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ اپنے مشاغل ساز و سامان اور گھر بار سے نکل کر ان چیزوں کی دعوت دیتے ہوئے اور خود مشق کرتے ہوئے ملک بہ ملک، اقلیم بہ اقلیم، قوم بہ قوم، قریہ بہ قریہ پھریں گے۔ حضور اقدس صلعم نے ہر امتی کو مسجد والا بنایا تھا مسجد کے کچھ مخصوص اعمال دئے تھے، مسجد میں اللہ کی بڑائی کی، ایمان کی اور آخرت کی باتیں ہوتی تھیں، اعمال سے زندگی بننے کی باتیں ہوتی تھیں۔ عملوں کے ٹھیک کرنے کی تعلیمیں ہوتی تھیں۔ ایمان و عمل صالح کی دعوت کے لئے ملکوں اور علاقوں میں جانے کی تشکیلیں بھی مسجد ہی سے ہوتی تھیں۔ اللہ کے ذکر کی مجلسیں مسجدوں میں ہوتی تھیں۔ یہاں تعاون، ایثار، ہمدردیوں کے اعمال ہوتے تھے، ہر شخص حاکم محکوم، مالدار، غریب، تاجر، زراع، مزدور، مسجد میں آکر زندگی سیکھتا تھا۔ اور باہر جا کر اپنے اپنے شعبہ میں مسجد والے تاثر سے چلتا تھا۔

آج ہم دھوکے میں پڑ گئے کہ ہمارے پیسے سے مسجد چلتی ہے۔ مسجدیں اعمال سے خالی ہو گئیں اور چیزوں سے بھر گئیں۔ حضور صلعم نے مسجد کو بازار والوں کے تابع نہیں کیا حضور صلعم کی مسجد میں نہ بجلی تھی، نہ پانی تھا، نہ غسل خانے تھے، خرچ کی کوئی شکل نہ تھی۔ مسجد میں آکر داعی بنتا تھا، معلم اور متعلم بنتا تھا، ذاکر بنتا تھا، نمازی بنتا تھا، مطیع بنتا تھا، متقی زاہد بنتا تھا، باہر جا کر ٹھیک زندگی گزارتا تھا، مسجد بازار والوں کو چلاتی تھی۔ ان چار ماہ میں ہر جگہ جا کر مسجدوں میں ہر امتی کو لانے کی مشق کریں۔ مسجد والے سیکھتے ہوئے دوسروں کو یہ محنت سیکھنے کے لئے تین چلوں کے واسطے آمادہ کر دیں۔ واپس اپنے مقام پر آکر اپنی بستی کی مسجد میں ان اعمال کو زندہ کرنا ہے۔ ہفتہ میں دو مرتبہ گشت کے ذریعہ بستی والوں کو جمع کر کے انہیں چیزوں کی طرف متوجہ کرنا اور مشق کے لئے فی گھر ایک نفر تین چلوں کے لئے باہر نکلنا ہے ایک گشت اپنی مسجد کے ماحول میں اور دوسرا گشت دوسری مسجد کے ماحول میں کریں۔ ہر مسجد میں مقامی جماعت بھی بنائیں ہر مسجد کے احباب روزانہ فضائل کی تعلیم کریں۔ اپنے شہر یا بستی کے قریب دیہات میں کام کی فضا بنے، اس کے لئے ہر مسجد سے تین یوم کے لئے جماعتیں پانچ کوس کے علاقے میں جائیں۔ ہر دوست مہینے میں تین یوم پابندی سے لگائے الحسنۃ بعشر امثالھا کے مصداق تین دن پر تیس دن کا ثواب ملے گا۔ پورے سال ہر مہینے تین دن لگائے تو سارا سال اللہ کی راہ میں شمار ہوگا"۔

اشاعت سے پرہیز

مولانا اشاعت کے عام طریقوں کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

"اس کام کی تعمیم کے لئے رواجی طریقوں، اخبار، اشتہار، پریس وغیرہ اور رواجی الفاظ سے بھی پورے پرہیز کی ضرورت ہے۔ یہ کام سارا کا سارا غیر رواجی ہے۔ رواجی طریقوں سے رواج کو تقویت پہنچے گی اس کام کو نہیں۔ اصل کام کی شکلیں، دعوت، گشت، تعلیم، تشکیل وغیرہ ہیں"۔

مولانا کے ذہن میں لٹریچر کا جو تصور تھا اس کا اندازہ مندرجہ ذیل اقتباس سے ہوتا ہے:

"فضائل قرآن مجید پڑھ کر تھوڑی کلام پاک کی ان سورتوں کی تجوید کی مشق کی جائے جو عموماً نمازوں میں پڑھی جاتی ہے۔ اللہ پاک توفیق دیں تو ہر کتاب میں سے تین چار صفحے پڑھے جائیں۔ تعلیم میں اپنی طرف سے تقریر نہ ہو۔ حدیث شریف پڑھنے کے بعد دو ذہن جملے ایسے کہہ دئے جائیں کہ اس سے عمل کا جذبہ و شوق اُبھر آئے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب دام برکاتہم کی تالیف فرمودہ فضائل قرآن مجید، فضائل نماز، فضائل تبلیغ، فضائل ذکر، فضائل صدقات حصہ اول دوم، فضائل رمضان، فضائل حج (ایام حج و رمضان میں) اور مولانا احتشام الحسن صاحب کاندھلوی دام مجدہٗ (مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج) صرف یہ کتابیں ہیں جن کو اجتماعی تعلیم میں پڑھنا اور سننا ہے اور تنہائیوں میں بیٹھ کر بھی ان کو پڑھنا ہے"۔

اشاعت سے پرہیز کا یہ عالم تھا آپ کی وفات کے بعد آپ کے مکاتیب کی تلاش میں ایک صاحب نے دہلی کا سفر کیا۔ مگر وہاں ایک مکتوب کی نقل بھی محفوظ نہیں مل سکی۔ حالانکہ آپ کثرت سے خطوط لکھتے تھے۔

غیر مسلموں میں تبلیغ

غیر مسلموں میں تبلیغ کے بارے میں مولانا کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ جب تک مسلمانوں میں دینی زندگی پیدا نہ ہو، اغیار میں دین کے لئے کشش پیدا نہیں ہو سکتی۔ ایک دفعہ فرمایا:

"جب تک یقین اور علم نبوت کے مطابق عبادات درست نہ ہو جائیں، اخلاق نہیں آتے، اور جب تک ہم میں اخلاق نہیں آئیں گے دوسروں میں دین نہیں پھیلے گا۔ اغراض کے لئے کسی سے سلوک کرنا اخلاق نہیں ہے بلکہ کوئی کام بھی جب تک اس میں اخلاص نہ ہو اس کی قطعاً کوئی قیمت نہیں ہے۔ عمل اخلاص کے بغیر مردہ ہے اور دیکھو، گھروں، بازاروں، دفتروں، یہاں تک کہ مدارس و مساجد میں بھی ایسے مرداروں کے ڈھیر لگ رہے ہیں"۔

اسی لئے آپ کم از کم پہلے مرحلہ میں اصلاح و تبلیغ کی زیادہ تر کوشش مسلمانوں پر صرف کرنا ضروری سمجھتے تھے۔

آپ یقین کریں کہ قربانی و صلوٰۃ سے بڑے مسئلے حل ہوتے ہیں۔ انسان نماز کے ذریعہ برائیوں سے بچتا ہے، گناہ معاف ہوتے ہیں اور جذبات قربانی سے ملت و قوم کو سہارا نصیب ہوتا ہے۔

ختم نبوّت کی عقلی حیثیت

(مولانا محمّد اسحاق سندیلوی)

ابرِ رحمت اس وقت برستا ہے جب زمین کے لب خشک صدائے العطش بلند کرتے ہیں۔ بادِ بہاری چمن کے لیے حیات تازہ کا پیام اس وقت لاتی ہے جب وہ بیداد خزاں سے عاجز بن کر سراپا فریاد والغیاث بن جاتا ہے۔ مہر عالم افروز اپنا رُخ انور اس وقت بے نقاب کرتا ہے جب کہ تیرگیٔ شب حد سے گذر جاتی ہے اور ردائے ظلمت میں دُنیا کا دم گھٹنے لگتا ہے۔ دُنیا کے حوادث اور تغیرات پر غور کرو ۔ تم دیکھو گے اِن میں سے کوئی بھی بغیر احتیاج و ضرورت ۔ کے وجود میں نہیں آتا تو کیا عقل سلیم یہ باور کر سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی نبی اور رسول اس خاکدان عالم میں اسوقت آیا ہوگا جب کوئی اس کی احتیاج و ضرورت نہ ہو؟

مقام نبوت، انسانیت کی آخری معراج اور ارتقائے انسانی کی اعلیٰ ترین منزل ہے۔ اس اعلیٰ منزلت کی شخصیت ایسے وقت ایسے ظروف واحوال میں بھیجی جائے۔ جبکہ اس کی کوئی احتیاج و ضرورت نہ ہو۔ یہ بات بالکل عقل و فہم کے خلاف ہے۔

کیا خاتم النبیّین محمد رسول اللہؐ کے بعد کسی کو تاج نبوت سے سرفراز فرمایا گیا ہے یا قیامت تک اس کا امکان ہے؟ کہ کسی کو یہ خلعتِ اکرام عطا فرمایا جائے؟ یہ دونوں مسئلے سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتے جب تک یہ نہ ثابت کر دیا جائے کہ سید المرسلین کے تشریف لانے کے بعد دُنیا کے لیے کسی نبی کی احتیاج و ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔

ظاہر ہے کہ اس کا بارِ ثبوت منکرین ختم نبوت پر ہے۔ لیکن جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں اس باب میں ہم نے یہ اسلوب اختیار نہیں کیا ہے یہاں ہم اُن اسباب کو بیان کرتے ہیں جن کا وجود یقینی طور پر کسی نبی کی آمد و بعثت کی ضرورت کو معدوم کر دیتا ہے۔ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ انبیاء علیہم السلام ہدایت خلق اللہ کے لیے مبعوث ہوتے ہیں۔ اَن کی تشریف آوری کا مقصد سوائے اس کے کچھ نہیں ہوتا کہ وہ بندوں کا تعلق ان کے معبودِ حقیقی کے ساتھ قائم اور مستحکم کر دیں۔

انبیاء علیہم السلام اس مقصد کو تین طریقوں سے حاصل کرتے ہیں۔

(۱) کتاب الٰہی کی تعلیم و تشریح سے

(۲) خود اپنے اعمال و افعال سے

(۳) اپنی شخصیّت عظیم سے

انبیاء علیہم السلام کتاب الٰہی کا مفہوم اور اس کے مقاصد واضح فرماتے ہیں۔ اُس کے کلّیات کو جزئیات پر منطبق فرما کر اور جزئیات سے کلّیات اخذ فرما کر نہج استنباط و اجتہاد روشن فرماتے ہیں۔ اپنے افعال و اقوال سے کتاب الٰہی کے احکام کی عملی شکل متعین فرماتے ہیں۔ مجموعی طور پر کتاب الٰہی جس طرزِ زندگی کا مطالبہ کرتی ہے اُس کا عملی نمونہ پیش فرماتے ہیں۔ انہیں اقوال و اعمال کے مجموعہ کا نام سنت ہے۔ ان کی شخصیت و ذات کا اصل فائدہ اُن لوگوں کو پہنچتا ہے جو نبی کی شاگردی کا شرف براہ راست حاصل کرتے ہیں۔ اس طرح انبیاء ایک ایسا گروہ تیار کر دیتے ہیں جو ان کے علوم و معارف کا حامل ہو کر آئندہ نسلوں تک انہیں منتقل کر سکے۔ ایک ایسی جماعت تیار کرنے کے بعد انبیاء کا کام ختم ہو جاتا ہے اور وہ اس امانت الٰہیہ کو اپنے صحابہ کے سپرد کر کے بحکم الٰہی اس عالم دُنیا سے سفر کر جاتے ہیں۔ تاریخ پر نظر ڈالو۔ ان برگزیدہ ہستیوں کے متعلق حق تعالیٰ کا یہی طرزِ عمل یاد کے روپ معاند سے معاند بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ خاتم النبیینؐ سے پہلے بھی زمانہ کے بکثرت بلکہ اکثر ایسے حصے ہیں جو نبی کی شخصیت سے بالکل خالی ہیں اور ان میں ہدایت عالم کا ذریعہ صرف کتاب و سنت رہی ہیں۔ کتاب و سنت کی موجودگی ناکافی ہوتی اور شخصیت نبی کا موجود ہونا ہر زمانہ میں ناگزیر ہوتا۔ تو یقیناً کوئی زمانہ بھی

ایسی شخصیت سے خالی نہ ہوتا۔ اس کے علاوہ یہ بھی دیکھئے کہ کیا نبی کے زمانۂ حیات میں بھی ہر شخص اُنکی شخصیّت عظیم سے براہِ راست استفادہ کرتا ہے یا کر سکتا ہے، کیا بنو اسرائیل کے لاکھوں افراد میں ہر فرد حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہم السلام کا حاشیہ نشین اور اُن کے نفوسِ قدسیہ سے براہ راست مستفید ہوا تھا! ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس زمانہ میں اسلام پورے عرب پر چھا چکا تھا۔ اس کی سرعت رفتار کا اندازہ حق تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہو سکتا ہے۔

وَرَاَیتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا۔

(سورہ النصر پ ۳۰)

(ترجمہ) اور آپؐ لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ اللہ کے دین میں گروہ در گروہ داخل ہوتے ہیں)

مسافت کے لحاظ سے اسلام کی رفتار دو سو میل یومیہ سے زائد تھی مگر کیا عرب کا ہر مسلم باشندہ شرف صحابیت حاصل کر سکا تھا؟ یا معلم اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بلا واسطہ زانوئے تلمّذ تہ کر سکا تھا؟ سچ تو یہ ہے کہ ایسا ہونا ممکن ہی نہیں۔ اگر کتاب و سُنت کا وجود ہدایت کے لیئے کافی نہ ہوتا بلکہ نبی کی شخصیت سے براہِ راست وابستگی لازم ہوتی۔ تو دُور افتادہ لوگوں نیز مابعد کی نسلوں کا اسلام ہی صحیح نہ ہوتا اگر ایسا نہیں ہے تو یہ لازم تھا کہ ھادی حقیقی کی طرف سے اس قسم کا کوئی انتظام ہوتا۔ کہ کم از کم نبی کے دَورِ حیات میں ہر شخص انکی شخصیّت عظیم سے براہِ راست مستفید ہو سکتا۔

ان بدیہی دلائل سے صراحتاً یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ اگر کتاب و سنت موجود و محفوظ ہو تو ہدایت اور قرب الٰہی حاصل کرنے کے لیے یہ دو ذریعے کتاب و سَنت تو مستقل ہیں اور تیسرا ذریعہ یعنی کی شخصیت غیر مستقل بالفاظِ دیگر مختصر رُشد و ہدایت کے لیے تعلیمات نبوی ناگزیر اور کافی ہیں، جب تک یہ موجود ہوں اُس وقت تک اِن سے ہر زمانہ میں فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے خواہ خود نبی موجود ہوں یا نہ ہوں۔ یہ ایسا واقعہ ہے جس کا ثبوت مشاہدہ ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی دیکھیئے کہ ذات نبوی سے وابستگی بھی اُس وقت تک مفید نہیں ہو سکتی جب تک تعلیم نبوی پر عمل نہ کیا جائے۔ اگر کوئی شخص کسی نبی کو دیکھنے پر بھی ایمان نہ لائے اور اس کی دعوت و تعلیم کو ٹھکرائے تو کیا نبی کی خدمت میں حاضری اور اَن کی زیارت اُسے ذرّہ بھی فائدہ پہنچا سکتی ہے؟ بخلاف اس کے جو شخص احکام نبوی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دے اور اُن کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو خواہ نبی کی زیارت سے مشرف ہوا نہ ہوا ہو۔ یقیناً ہدایت یافتہ اور فائز المرام ہے۔

الحاصل جس پہلو سے بھی غور کیجئے۔ یہ حقیقت روز روشن سے بھی زیادہ واضح ہو جاتی ہے کہ ہدایت و رُشد کا پائیدار مستقل ذریعہ کتاب و سُنت یا بالفاظِ دیگر نبی کی تعلیم ہوتی ہے۔ خود نبی کی موجودگی کی ضرورت اسوقت تک رہتی ہے جب تک ایک جماعت ایسی پیدا نہ ہو جائے جو اُسی کے علم و طریق کو علماً و عملاً محفوظ کر لے اور اسے دوسروں تک منتقل کرنے کا کام کر سکے۔ ایسی جماعت تیار کرنے کے بعد نبی کا کام ختم ہو جاتا ہے چنانچہ تاریخ بتلاتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام عموماً اس کام کی تکمیل کے بعد دُنیا سے اُٹھا لیئے گئے۔

یہاں بحث یہ ہے کہ خاتم النبیّین حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کی بعثت کی ضرورت ہے۔ یا نہیں!۔

اُوپر کی سطروں میں ہم نے ایک عام اصول بیان کیا ہے اسے اس خاص اور جزئی مسئلہ پر منطبق کیجئے آفتاب نصف النہار کی طرح یہ بات واضح ہو جائے گی کہ محمد عربی صلّی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک کسی نبی کی بعثت کی ضرورت نہیں ہے۔

ہمارے نبی کریمؐ ۲۳ سال تک اپنے وجود مسعود اور انفاسِ قدسیہ سے اس عالم تیرہ و تار کو منوّر فرماتے رہے۔ اس کے بعد اس عالم دنیا سے عالم آخرت میں اپنے ربّ کریم کے حضور میں تشریف لے گئے۔ اپنے ترکہ میں تین چیزیں آپ نے چھوڑیں، اللہ کی نورانی کتاب یعنی قرآن کریم اپنی سنتِ سنیہ یعنی اپنے اقوال و افعال و تقریرات، تیسری چیز جماعت صحابہ یعنی ایک لاکھ سے زائد ایسی منوّر ربانی اور پاکیزہ شخصیتیں جو براہِ راست معلّم اعظم سے مستفید ہوئی تھیں اور اُن کے علوم عالیہ کی حامل و محافظ اور انکا عملی نمونہ تھیں۔ یہی نہیں بلکہ اس امانت محمدیہ کو دوسروں تک پہنچانے کی حریص تھیں، قرآن کریم سینوں اور سفینوں میں اس طرح محفوظ رہا کہ اس کا ایک ایک حرف، ایک ایک شوشہ آج تک محفوظ ہے اور اس کی حفاظت سے جو اسباب حق تعالیٰ نے مہیا فرمائے ہیں اور جو طریقے مقرر فرمادئے ہیں اُنہیں دیکھ کر ہر شخص یقین کرنے پر مجبور ہے کہ اللہ کا یہ کلام تا قیام قیامت محفوظ اور ہر قسم کی تحریف سے پاک رہے گا۔ اس کی حفاظت ایسی ہوگی کہ مُعاند سے معاند غیر مسلم بھی اس حقیقت کے تسلیم کرنے پر مجبور رہوں کہ قرآن مجید ہر قسم کی تحریف سے مُبرّا ہے نہ اس میں کمی ہوئی نہ زیادتی، نہ اس کے الفاظ یا آیات کی ترتیب میں کوئی فرق پڑا ہے۔ اس کا ایک ایک حرف وُہی ہے جو رسول اکرمؐ پر نازل ہُوا تھا اور جو آنحضورؐ نے قبل از وفات امت کے سپرد فرمایا تھا۔ قرآن مجید کا

ایک ایک حرف متواتر ہے۔ اگرچہ اس کے سب اجزاء متواتر نہیں ہیں، تاہم یہ یقینی ہے کہ سنت نبوی بھی محفوظ ہے اور تعامل، پریس کی قوت اور دیگر اسباب نے اسے قیامت تک کے لیے محفوظ کر دیا ہے۔

کتاب و سنت کی اس موجودگی کی صورت میں کسی نبی کی بعثت کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ ہدایت اور رشد کے یہ دو سرچشمے موجود ہیں اور سارے عالم کو سیراب کرنے کے لیے بالکل کافی اور وافی ہیں ان کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ کسی نبی کی بعثت کی بھی ضرورت ہے۔ ایک سفیہانہ بات ہے۔

اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ یہ دین قیامت تک باقی رہے گا ظاہری اسباب بھی یہی بتا رہے ہیں کہ اسلام ابدی اور دائمی دین ہے اور کتاب و سنت ہدایت کے ایسے سرچشمے ہیں جو کبھی خشک نہیں ہو سکتے آبِ حیات کے ان لافانی اور ابدی چشموں کے ہوتے ہوئے کسی نبی کے وجود کی پیاس تعبرتی پیاس ہے جو دل و دماغ کی بیماری اور عقل و فہم کی خطرناک علالت کی علامت ہے۔

اگر ہم کسی نئے نبی کی بعثت فرض کریں تو فطرتاً یہ سوال پیدا ہوگا کہ اس کا کام کیا ہوگا؟ وہ شریعت محمدیہ علیہ الف الف تحیۃ کو منسوخ کر کے کسی نئی شریعت کی تعلیم دے گا؟ یا اسی شریعت کا اجراء کرے گا؟ کسی نئی کتاب اور نئی بعثت سے قرآن مجید اور سنت محمدیہ کو منسوخ کرے گا یا اسی کتاب اور اسی سنت کی تشریح و تفصیل کرے گا؟ اگر پہلی صورت فرض کی جائے تو پھر وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کی ضرورت کیا ہے؟ قرآن و سنت سراپا ہدایت ہیں۔ ان میں کیا کمی ہے جس کی تکمیل کسی نئی کتاب اور نئے نبی کے ذریعہ کی جائے۔

جو شخص بھی اسلام کا مدعی ہے ہرگز یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ قرآن و حدیث ہدایت کے لیے ناکافی ہیں۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ کسی غیر مسلم کے لیے بھی یہ بات کہنا مشکل ہے جو شخص ایسا کہتا ہے اُس کے ذمہ ہے کہ وہ قرآن اور حدیث کو ہدایت کے لیے ناکافی یا ناقص ثابت کرے۔ کوئی مشکل سے مشکل مسئلہ جس کا تعلق دین کے ساتھ ہو قرآن مجید اور حدیث نبوی کے سامنے پیش کرو، تم دیکھو گے کہ وہ مشکل کیسی آسان ہو جاتی ہے اور مسئلہ کا کیا عمدہ و اعلیٰ حل نکل آتا ہے البتہ فہم سلیم اور علم صحیح کی احتیاج ہے۔

دوسری شق اختیار کرنے پر بھی وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کی تشریح و تفصیل کے لیے کسی نبی ہی کے آنے کی کیا حاجت اگر اُمتی اس بیان و تشریح سے عاجز و قاصر ہیں تو ہر زمانہ میں کسی نہ کسی نبی کا وجود لازم ہے حالانکہ یہ بات بالکل خلاف واقعہ ہے جس کی غلطی مشاہدہ سے ثابت ہے علاوہ بریں نبی کی موجودگی کی صورت میں عادتاً بھی یہ ناممکن و محال ہے کہ وہ ہر شخص کے سامنے پیش آنیوالے ہر جزئی مسئلہ کے متعلق قرآن و حدیث کا بیان اور اس کی تشریح پیش کریں۔ ذرائع خبر رسانی کی اتنی ترقی کے باوجود ایک شخص کے لیے یہ ناممکن ہے کہ کروڑوں سوالات کا جواب روزانہ دیتا رہے خود نبی کریمؐ کے مبارک دور میں بہت سے مسائل و جزئیات کے متعلق مسلمانوں کو اجتہاد کرنا پڑتا تھا اگرچہ اس قسم کے مسائل کی تعداد قلیل ہے مگر پھر بھی خاصی ہے جن میں صحابۂ کرام نے خود اجتہاد کیا ہے اور نصوص کا بیان اپنی فہم سے کیا ہے یہ صرف صحابۂ کرام کا فعل ہی نہیں ہے بلکہ خود نبی کریمؐ نے اس طریق کار کی تعلیم دی ہے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن بھیجتے وقت آنحضرتؐ نے نص صریح کی عدم موجودگی کی صورت میں اسی اجتہاد و استنباط کی ہدایت فرمائی تھی اس سے ظاہر ہے کہ ہر جزئی مسئلہ کی تشریح کے لیے نبی کی احتیاج نہیں ہے بلکہ نبی کے بیان کی احتیاج ایک خاص دائرہ تک محدود ہے۔ اس دائرہ کی وسعت کے متعلق عقل خاص پہلے سے کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی۔ مگر نبی کے تشریف لے جانے کے بعد وہ تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ اس کے حدود ختم ہو چکے ہیں اور اس کے بعد کسی دوسرے نبی کا اس مقصد سے آنا بالکل بے ضرورت ہے۔ اور جب تک کسی دلیل شرعی قطعی و یقینی سے کسی نبی کی ضرورت و احتیاج نہ ثابت ہو جائے اُس وقت تک وہ اسے تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہو سکتی، ظاہر ہے کہ اگر اُمت بعض مسائل کے متعلق قرآن و حدیث کی تشریح خود کر سکتی ہے تو کل غیر منصوص مسائل میں اُسے ایسا کرنے سے کون مانع ہے؟ اور اس کی اس استطاعت کے بعد کسی نبی کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟

خلاصہ یہ ہے کہ اس برہان روشن سے بھی عقیدہ ختم نبوت واضح اور روشن ہو جاتا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ خاتم النبیینؐ کے بعد کسی نبی کی بعثت کی کوئی احتیاج و ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ قرآن و حدیث کی رہنمائی قیامِ قیامت تک کافی اور وافی ہے۔

فرما دیجئے کہ اگر انسان اور جن سب کے سب جمع ہو جائیں تاکہ قرآن کے مقابل کتاب لے آئیں تو وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکتے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے لئے بہت مددگار ہوں ——— (القرآن)

جہاد کی اہمیت

● عبدالرحمٰن لدھیانوی شیخوپورہ

قومی حیات کے لیے جہاد امور ضروریہ میں سے ہے۔ اور اسی بناء پر اسلام نے اسے لازمی قرار دیا ہے تاکہ دنیا میں قانونِ فطرت کی ترویج ہو اور مخالفت کرنے والوں سے جدال و قتال کیا جائے۔ اگر کفار جزیہ دے کر اسلامی رعایا بننے یا مسلمانوں کے تحت امن میں آجانے یا باہمی مصالحت اور معاہدہ کی وجہ سے مسلمانوں کو عملاً مطمئن کر دیں کہ وہ ان کے دین میں رخنہ اندازی نہیں کریں گے اور ان کے غلبہ اور شوکت کی وجہ سے مسلمانوں کو ان کے مرتد بنائے جانے کا کوئی اندیشہ باقی نہ رہے گا۔ تو ایسی اقوام کے مقابلہ میں مسلمانوں کو ہتھیار اٹھانا جائز نہیں۔

بہرحال جہاد و قتال کا اولین مقصد یہ ہے کہ اہل اسلام مامون و مطمئن ہو کر خدا کی عبادت کر سکیں اور دولتِ ایمان و توحید کفار کے ہاتھوں سے محفوظ ہو۔

جہاد کا آخری مقصد یہ ہے کہ کفر کی شوکت نہ رہے۔ حکم اکیلے خدا کا چلے۔ دینِ حق سب ادیان پر غالب آجائے۔

سورۂ انفال کی انتالیسویں آیت کا یہی مطلب ہے کہ جہاد و قتال خواہ ہجومی ہو یا دفاعی مسلمانوں کے حق میں اس وقت تک مشروع ہے۔ جب تک یہ دونوں مقصد حاصل نہ ہو جائیں۔ اسی لیے حدیث میں آیا ہے۔ اَلْجِهَادُ مَاضٍ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ (جہاد قیامت تک جاری رہیگا) مسلمانوں کو کافروں اور مشرکوں سے اس وقت تک لڑتے رہنا چاہیے جب تک کہ ان کا زور نہ ٹوٹے۔ اور یہ کہ مسلمانوں کو ایمان سے روک سکیں یا مذہب حق کو موت کی دھمکی دے سکیں۔

جہاد کا مقصد

اللہ کے دین کو بلند کرنے اور غالب کرنے کی غرض سے مظلوم مسلمانوں کو کافروں کے ہاتھ سے چھڑانے اور خلاصی دلانے کی وجہ سے مسلمانوں کو شیطان کے دوستوں (کافروں) سے لڑنا بلا تامل ضروری ہوا۔ جب کبھی کفار کو غلبہ ہوا مسلمانوں کا ایمان اور مذہب خطرہ میں پڑ گیا۔

جہاد کی تیاری

وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ۔ (پ-۱۰-ع ۴)

ترجمہ: اے مسلمانو! ان کافروں کے لیے جس قدر بھی تم سے ہو سکے ہتھیار سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھو تاکہ اس کے ذریعہ تم رعب جمائے رکھو ان پر جو اللہ کے اور تمہارے دشمن ہیں۔

اے مسلمانو! تمہارا فرض ہے کہ دشمنوں کے مقابلہ کے لیے ہتھیار وغیرہ تیار رکھو اور جہاں تک قدرت ہو سامانِ جہاد فراہم کرو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں گھوڑے کی سواری، شمشیر زنی اور تیراندازی وغیرہ کی مشق کرنا سامانِ جہاد تھا۔ آج بندوق، پستول، ٹینک، ایٹم بم، توپ، ہوائی جہاز آبدوز کشتیاں، آہن پوش، کروزر وغیرہ کا تیار کرنا اور استعمال میں لانا اور فنونِ حربیہ کا سیکھنا، سکولوں اور کالجوں میں فوجی ٹریننگ دینا سب سامان جہاد ہے۔ یہ سب سامان اور تیاری دشمنوں پر رعب جمانے اور دھاک بٹھلانے کا ایک ظاہری سبب ہے۔ باقی فتح و ظفر کا اصلی سبب خدائی مدد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے نصرت اور فتح کا وعدہ فرمایا ہے۔

جہاد کی تیاری میں جس قدر مال خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدلہ ملے گا۔ ایک روپیہ کے عوض سات سو روپیوں کا۔ اور بسا اوقات دنیا میں بھی اس سے کہیں زیادہ معاوضہ

مل جاتا ہے۔ اس وقت پاکستان خطرات میں گھرا ہوا ہے کہیں روس کا، کہیں بھارت کا، کہیں کشمیر کا اور کہیں اندرونی حالات کا خطرہ ہے۔

منافق لوگ جہاد میں دیر لگاتے ہیں اور جہاد میں جانے والوں کی حالت کو تکتے رہتے ہیں اور دنیاوی نفع کا انتظار کرتے ہیں۔ جیسا کہ سورہ توبہ کے آخری رکوع میں تین اشخاص کا ذکر ہے:۔

وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَن لَّا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ۔

(ترجمہ) اور ان تین شخصوں پر جن کو پیچھے رکھا تھا۔ یہاں تک کہ جب ان پر زمین تنگ ہو گئی تھی باوجود کشادہ ہونے کے اور ان پر ان کی جانیں تنگ ہو گئی تھیں اور سمجھ گئے کہ کہیں پناہ نہیں اللہ سے مگر اُسی کی طرف، پھر مہربان ہو گیا اللہ اُن پر تاکہ وہ پھر آئیں، بے شک اللہ مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔

تفسیر عثمانیؒ خدا کی مہربانیاں پیغمبر علیہ السلام پر بے شمار ہیں۔ اور آپؐ کی برکت سے مہاجرین و انصار پر بھی حق تعالےٰ کی مخصوص توجہ اور مہربانی رہی ہے اور ان کو ایمان اور عرفان سے مشرف فرمایا — اتباعِ نبویؐ، جہاد فی سبیل اللہ اور عزائم امور کے سرانجام دینے کی ہمت و توفیق بخشی۔ پھر ایسے مشکل وقت میں (غزوۂ تبوک) جبکہ بعض مومنین کے قلوب بھی مشکلات اور صعوبتوں کے ہجوم کو دیکھ کر ڈگمگانے لگے تھے، سخت گرمی کا موسم تھا۔ کھجور کی فصل پک چکی تھی اور راستہ دشوار گزار تھا۔ قریب تھا کہ رفاقت نبویؐ سے پیچھے ہٹ جائیں۔ حق تعالےٰ نے دوبارہ مہربانی اور دستگیری فرمائی کہ ان کو اس قسم کے خطرات اور وساوس پر عمل کرنے سے محفوظ رکھا اور مومنین کی ہمتوں کو مضبوط اور ارادوں کو بلند کر دیا۔

یہ تین شخص (۱) کعب ابنِ مالکؓ (۲) ہلال ابن اُمیہؓ۔ ۳۔ مُرارہ ابنِ ربیعؓ ہیں جو باوجود مومن و مخلص ہونے کے محض تن آسانی اور سہل انگاری کی بناء پر بدوں عذرِ تنت گو سن کر خاموش رہے۔ کعبؓ کہتے ہیں کہ آپؐ کے جنگ تبوک کی شرکت سے محروم رہے۔

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو انہوں نے منافقوں کی طرح نہ جھوٹے عذر پیش کیے اور نہ بعض صحابہ کی طرح اپنے آپ کو ستونوں سے باندھا جو واقعہ تھا صاف صاف عرض کر دیا۔ اور اپنی تقصیر اور کوتاہی کا علانیہ اعتراف کیا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ منافقین کی طرف سے بظاہر اغماض کر کے ان کے بواطن کو خدا کے سپرد کیا گیا۔ "اصحاب سواری" کی (یعنی جو مسجد کے ستونوں سے بندھے ہوئے تھے) توبہ قبول کر لی گئی۔ پچاس دن گزرنے کے بعد ان کی توبہ قبول ہوئی۔ پیچھے رکھے جانے کا یہی مطلب ہے جیسا کہ بخاری میں خود کعب ابن مالک نے نقل کیا ہے۔

ان تین میں سے حضرت کعب بن مالکؓ نے اپنا واقعہ نہایت شرح و بسط سے عجیب مؤثر طرز میں بیان فرمایا ہے صحیح بخاری میں ملاحظہ کیا جائے۔ یہاں اُس کے بعض اجزاء نقل کیے جاتے ہیں۔

کعب ابن مالکؓ فرماتے ہیں کہ تبوک کی مہم چونکہ بہت سخت اور دشوار گزار تھی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو تیاری کا حکم دیا۔ لوگ مقدور و استطاعت کے مطابق سامانِ سفر تیار کرنے میں مشغول تھے مگر میں بے فکر تھا کہ جب چاہوں گا فوراً تیار ہو جاؤں گا کیونکہ بفضلِ ایزدی اس وقت ہر طرح کا سامان مجھ کو میسّر تھا۔ ایک چھوڑ دو سواریاں میرے پاس موجود تھیں۔ میں اسی غفلت کے نشہ میں رہا۔ ادھر نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیس ہزار مجاہدین اسلام کو کوچ کا حکم دے دیا۔ مجھے اب بھی یہ خیال تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہو گئے تو کیا ہے اگلی منزل پر آپ سے جا ملوں گا۔ آج چلوں، کل چلوں۔ اسی امروز و فردا میں وقت نکل گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک پہنچ کر فرمایا۔ مَا فَعَلَ کعب ابن مالك (کعب ابن مالک کو کیا ہوا) بنی سلمہ کا ایک شخص بولا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کو عیش پسندی اور اعجاب و غرور سے نکلنے کی اجازت نہ دی۔ معاذ ابن جبلؓ نے کہا تو نے بُری بات کہی۔ خدا کی قسم۔ ہم نے اس میں بھلائی کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ

شریف لے جانے کے بعد بہت زیادہ وحشت اس سے تی تھی کہ سارے مدینہ میں پکے منافق یا معذور مسلمان کے سوا مجھے کوئی مرد نظر نہ پڑتا تھا۔ بہرحال اب دل میں طرح طرح کے جھوٹے منصوبے گانٹھنے شروع کیے کہ آپؐ کی واپسی پر فلاں فلاں عذر کر کے جان بچا لوں گا۔ مگر جس وقت معلوم ہُوا کہ آپؐ خیر و عافیت سے واپس تشریف لے آتے ہیں دل سے سارے جھوٹ اور فریب محو ہو گئے اور طے کر لیا کہ سچ کے سوا کوئی چیز اُس بارگاہ میں نجات دلانے والی نہیں ہے۔

حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) مسجد میں رونق افروز تھے اصحابؓ کا مجمع تھا۔ منافقین جھوٹے حیلے بہانے بنا کر ظاہری گرفت سے چھوٹ رہے تھے کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا۔ میرے سلام کرنے پر آپؐ نے غضب آمیز تبسم فرمایا۔ اور غیر حاضری کی وجہ دریافت کی۔ میں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر اس وقت میں دنیا والوں میں سے کسی دوسرے کے سامنے ہوتا تو آپؐ دیکھتے کہ کس طرح زبان زوری اور چرب لسانی سے جھوٹے حیلے حوالے کر کے اپنے آپ کو صاف بچا لیتا۔ مگر یہاں تو معاملہ ایک ایسی ذاتِ مقدّس سے ہے جسے جھوٹ بول کر اگر میں راضی بھی کر لوں تو تھوڑی دیر کے بعد خدا اس کو سچی بات پر مطلع کر کے مجھ سے ناراض کر دے گا۔ برخلاف اس کے سچ بولنے میں گو تھوڑی دیر کے لیے آپؐ کی خفگی برداشت کرنی پڑے گی لیکن امید کرتا ہوں کہ خدا کی طرف سے اس کا انجام بہتر ہوگا آخر کار سچ بولنا ہی مجھے خدا اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے غصّہ سے نجات دلائے گا۔

عرض کیا۔ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) واقعہ یہ ہے کہ میرے پاس غیر حاضری کا کوئی عذر نہیں۔ جس وقت حضورؐ کی ہمرکابی کے شرف سے محروم ہُوا اس وقت سے زیادہ فراخی اور مقدرت کبھی مجھ کو حاصل نہ ہوئی تھی۔ میں مجرم ہوں۔ آپؐ کو اختیار ہے جو فیصلہ چاہیں میرے حق میں دیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ شخص ہے جس نے سچی بات کہی۔ اچھا جاؤ اور خدائی فیصلہ کا انتظار کرو۔ میں اٹھا اور

تحقیق سے معلوم ہُوا کہ ہلال ابن امیہ اور مرارہ ابن ربیع یہ دو شخص بھی میرے ہی جیسے ہیں۔ ہم تینوں کے متعلق آپؐ نے حکم دے دیا کہ کوئی ہم سے بات نہ کرے سب علیحدہ رہیں چنانچہ کوئی مسلمان ہم سے بات نہ کرتا تھا نہ سلام کا جواب دیتا تھا وہ دونوں تو خانہ نشین ہو گئے۔ شب و روز گھر میں وقفِ گریہ و بکا رہتے تھے۔ میں ذرا سخت اور قوی تھا۔ مسجد میں نماز کے لیے حاضر ہوتا۔ حضورؐ کو سلام کر کے دیکھتا تھا کہ جواب میں لب مبارک کو حرکت ہوئی یا نہیں — جب میں آپؐ کی طرف دیکھتا آپ میری طرف سے منہ پھیر لیتے تھے۔ مخصوص اقارب اور محبوب ترین اعزّہ بھی مجھ سے بیگانہ ہو گئے تھے۔ اسی اثناء میں ایک روز ایک شخص نے بادشاہ غسّان کا خط مجھے دیا جس میں میری مصیبت پر اظہار ہمدردی کرنے کے بعد دعوت دی تھی کہ میں اس کے ملک میں آ جاؤں۔ وہاں میری بہت آؤ بھگت ہوگی۔ میں نے پڑھ کر کہا کہ یہ بھی ایک مستقل امتحان ہے۔ آخر وہ خط میں نے نذرِ آتش کر دیا۔ چالیس دن گزرنے کے بعد بارگاہِ رسالت سے جدید حکم پہنچا کہ میں اپنی عورت سے بھی علیحدہ رہوں چنانچہ اپنی بیوی کو کہہ دیا کہ اپنے میکے چلی جائے اور جب تک خدا کے یہاں سے میرا کوئی فیصلہ ہو وہیں ٹھہری رہے۔ سب سے بڑی فکر یہ تھی کہ اگر اسی حالت میں موت آ گئی۔ تو حضورؐ میرا جنازہ نہیں پڑھیں گے اور فرض کیجیے، ان دنوں میں آپ کی وفات تو مسلمان ہمیشہ یہی معاملہ مجھ سے رکھیں گے میری میّت کے قریب بھی کوئی نہیں آئے گا۔

غرض پچاس دن اسی حالت میں گزرے کہ خدا کی زمین مجھ پر باوجود فراخی کے تنگ تھی۔ بلکہ عرصۂ حیات تنگ ہو گیا تھا۔ زندگی موت سے زیادہ سخت معلوم ہوتی تھی۔ کہ یکایک پہاڑ کی طرف سے آواز آئی یا کعب ابن مالک — اَبشِر (اے کعب ابن مالک! خوش ہو جاؤ)۔ میں سنتے ہی سجدہ میں گر پڑا۔ معلوم ہُوا کہ اخیر شب میں حق تعالیٰ کی طرف سے پیغمبرؐ کو جو خبر دی گئی کہ ہماری توبہ قبول ہے۔ آپؐ نے بعد نماز فجر صحابہؓ کو مطلع فرمایا۔ ایک سوار میری طرف دوڑا تاکہ بشارت سنائے مگر دوسرا شخص پہاڑ پر زور سے للکارا۔ اس کی آواز سوار سے پہلے پہنچی اور

ہیں نے اپنے بدن کے کپڑے اتار کر آواز لگانے والے کو دئے۔ پھر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ لوگ جوق در جوق آتے اور مجھے مبارکباد دیتے۔ مہاجرین میں سے حضرت طلحہؓ نے کھڑے ہو کر مصافحہ کیا۔ حضورؐ کا چہرہ خوشی سے چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ آپؐ نے فرمایا۔ خدا نے تیری توبہ قبول فرما لی۔ میں نے عرض کیا کہ اس توبہ کا تتمہ یہ ہے کہ اپنا کل مال اور جائداد خدا کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ سب نہیں کچھ اپنے لیے روکنا چاہیے۔ چنانچہ میں نے خیبر کا حصّہ الگ کرکے باقی مال صدقہ کر دیا۔ چونکہ محض سچ بولنے سے مجھ کو نجات ملی تھی۔ اس لیے عہد کیا کہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو آئندہ کبھی جھوٹ نہ بولوں گا۔ اس عہد کے بعد بڑے سخت امتحانات پیش آئے مگر الحمدللہ میں سچ کہنے سے کبھی نہ ہٹا۔ اور نہ انشاء اللہ تازیست ہٹوں گا — یہ واقعہ ہے جس کی طرف ان آیات میں اشارہ کیا گیا ہے:

نتیجہ، گویا ان تینوں اشخاص پر خدا کی پہلی مہربانی تو یہی تھی کہ ایمان و اخلاص بخشا نفاق سے بچایا۔ اب نئی مہربانی یہ ہوئی کہ توبۃ النصوح کی توفیق دے کر پھر اپنی طرف کھینچ لیا۔ اور کوتاہیوں کو معاف فرما دیا۔ اَلصِّدْقُ یُنْجِیْ وَالْکِذْبُ یُھْلِکُ۔
(سچ نجات دیتا ہے اور جھوٹ ہلاک کرتا ہے)

مذکورہ واقعہ سے جہاد کی اہمیت بھی ثابت ہو گئی۔ اور مقاطعہ (بائیکاٹ) کا بھی جواز نکل آیا جیسا کہ بعض احباب موجودہ بائیکاٹ کرنے کے خلاف ہیں۔

جن لوگوں کے دلوں میں ایمان اور تقوٰے کا نور ہے ان کی یہ شان نہیں کہ جہاد سے الگ رہیں اگر بے سروسامانی کی وجہ سے وہ جہاد فی سبیل اللہ کے شرف سے محروم رہ جائیں تو ان کی آنکھیں اشکبار ہوتی ہیں۔

مسلمانوں کو سعادت و امانت ایمان ہی سے مل سکتی ہے اور ایمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور پیروی سے مل سکتا ہے۔

اَفْضَلُ الْجِھَادِ کَلِمَۃُ الْحَقِّ عِنْدَ سُلْطَانٍ الْجَائِرِ۔
(سب سے افضل جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے سچی بات کہنا ہے)

امام ولی اللہؒ کی حکمت کا مرتبہ

یہ طالب علم انگریزی کے ذریعہ جب براہ راست یورپ کی نئی تحریک یعنی اس کے سوشلسٹ پروگرام کی تاریخ اور اس کی کامیابی کے حالات سے واقف ہوگا۔ تو اس وقت جا کر کہیں اس پر یہ حقیقت واضح ہو سکے گی کہ:۔

امام ولی اللہؒ کی حکمت جس پر ان کی کتابوں "حجۃ اللہ البالغہ" اور "ازالۃ الخفا" کا مدار اور اساس ہے۔ اور جس حکمت کے ذریعے وہ قرآن مجید، صحاح ستّہ اور ائمہ اربعہ کے مذاہب اور محققین علماء کی سیاست کو حل کرتے ہیں۔ وہ ولی اللّٰہی حکمت آج بھی یورپ کی اس انقلابی تحریک سے مقدم اور بلند ہے۔ اور میں جو یہ کہتا ہوں کہ آج کے یورپ کو سمجھے بغیر حضرت امام ولی اللہ کی حکمت کا مرتبہ پہچاننا ناممکن ہے سو اس کا مطلب بھی یہی ہے۔

(خطبات مولانا عبید اللہ سندھی ص ۱۵۲)

جو کلمہ گو ہے نبیؐ کا، وہ اہلِ بیت سے ہے

آزاد شیرازی، مدیر تذکرہ، لاہور
۱۶ر ستمبر ۱۹۸۱ء

دلِ عمرؓ میں ہے، قلبِ علیؓ میں یادِ رسولؐ
علیؓ مُریدِ محمدؐ، عمرؓ مرادِ رسولؐ

وہ یارِ غار وہ صدیقؓ وہ جانشینِ نبیؐ
ہے اجتہادِ ابوبکرؓ، اجتہادِ رسولؐ

حیا کی صورتِ اکمل، غنیؓ، شہید عثمانؓ
ہوئی تھی جس کے لئے بیعتِ جہادِ رسولؐ

جو اہلِ دل ہیں، انہیں سرمۂ بصیرت ہے
غبارِ خاطرِ اصحابؓ، گردِ بارِ رسولؐ

جو کلمہ گو ہے نبیؐ کا، وہ اہلِ بیت سے ہے
ہے ساری ملّتِ اسلام، خانہ زادِ رسولؐ

گناہگار بھی آزادؔ، رو سیاہ بھی ہے
کہی ہے اُس نے مگر یہ غزل بیادِ رسولؐ

طبی مشورے

حکیم آزاد شیرازی

براہ راست جواب کے خواہشمند حضرات جوابی لفافہ ضرور روانہ کریں۔

حکیم آزاد شیرازی اندرون شیرانوالہ دروازہ لاہور

گائے کا گوشت

س:- اب تک یہی خیال تھا کہ دوسرے لحمیات کی نسبت گائے کا گوشت زیادہ قوت بخش ہے۔ گذشتہ دنوں ایک ہندو حکیم صاحب کی ایک کتاب نظر سے گذری۔ جس میں گائے کے گوشت کے متعلق لکھا ہے کہ یہ گرم خشک ہوتا ہے، اپھارہ کرتا ہے، دیر ہضم، غلیظ، دماغ میں زہریلے مواد چڑھاتا ہے، ہونٹ اور مسوڑھوں کو پھلاتا ہے، گنٹھیا اور عرق النسا میں مضر ہے وغیرہ۔ براہِ کرم خدام الدین کے صفحات میں وضاحت فرمائیں کہ گائے کے گوشت میں کیا فوائد اور کیا نقصانات ہیں؟

محمد اکرم قادری الاشعری فاضل
خطیب مہتہ جیسیا ڈچشتیاں (بہاولنگر)

ج: ہندو حکیم صاحب نے گائے کے گوشت کی جو خرابیاں بیان کی ہیں وہ بڑی حد تک بھینس کے گوشت اور بیمار گائے کے گوشت سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ لاہور اور دوسرے بڑے شہروں میں عموماً بازار سے جو گوشت ملتا ہے وہ زیادہ تر بھینسوں یا پھر لاغر، بوڑھی اور بیمار گائے کا ہوتا ہے۔ اگر درمیانی عمر اور تندرست گائے کا گوشت ہو تو وہ یقیناً خشکی کے دوسرے جانوروں کی نسبت زیادہ طاقت بخش ہوتا ہے۔ میرے حضرت الشیخ التفسیر مولانا احمد علی مرحوم و مغفور فرمایا کرتے تھے کہ "اے لاہوریو! تم جو لوگ گوشت کھاتے ہو۔ وہ صحیح طور پر ذبح نہ ہونے کے باعث حرام نہیں تو مکروہ ضرور ہے۔" اس میں گائے کے گوشت کی تخصیص نہیں تھی۔ بلکہ دنبے، بکرے، بھیڑ، گائے بھینس سبھی کا گوشت شامل تھا۔ صورتِ حال آج بھی کچھ ایسی ہی ہے۔ بیمار اور لاغر جانوروں کا گوشت کھا کر بیماری اور لاغری ہی حاصل ہو سکتی ہے تندرستی نہیں۔

لحمیات کے سلسلے میں سب سے بہتر گوشت پرندوں کا ہے۔ دوسرے نمبر پر پانی کے جانوروں مچھلی اور مرغابی وغیرہ کا اور آخری درجے پر خشکی کے جانوروں کا۔ خشکی کے جانوروں میں سب سے زیادہ قوت اور غذا بخش گوشت دنبے کا ہے، پھر بکرے کا، پھر گائے کا۔ اور سب سے زیادہ نقصان دہ گوشت بھینس اور بھیڑ کا ہے۔ بھینس کا گوشت بواسیر پیدا کرتا ہے۔ من و سلویٰ بھنے ہوئے تیتر اور بٹیر کی صورت میں نازل ہوا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی چھری کے تلے ذبح ہونے کے لئے بھی خشکی کے جانوروں میں سے دنبہ بھیجا گیا۔ مختصراً یہ کہ بیمار جانور کا گوشت ہو یا دودھ، وہ بیماری ہی پیدا کرے گا۔ اور تندرست و توانا جانور کا گوشت ہو یا دودھ صحت بخش ہوگا۔

دماغی کی شیشی

س: حافظہ کی کمزوری کے لئے ایک شیشی "دماغی" پندرہ روپے میں بھیج دیں۔ فائدہ ہوا تو اور منگواؤں گا

ظفر اقبال معرفت قاری محمد اعظم
مدرسہ جامعہ انوریہ ساہی وال

ج: دماغی کی شیشی کی موجودہ قیمت مبلغ تیس روپے مع محصولڈاک ہے۔ رقم بذریعہ منی آرڈر ملنے پر دوائی بذریعہ پارسل روانہ ہوگی۔ شفائی مطلق تو اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس ہے لہٰذا خوب سوچ سمجھ

بچوں کا صفحہ

صلح حدیبیہ

تحریر: حبیب اللہ، لاہور

ہجرت مدینہ کے کچھ عرصہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رب الواحد کے پاک گھر یعنی خانہ کعبہ میں حج کی غرض سے جانا چاہا اور اللہ کا حکم ملنے کے بعد آپ نے تمام مدینہ میں منادی کرا دی کہ جو مسلمان مکہ میں حج کے لئے جانا چاہتے ہیں وہ تمام اکٹھے ہو جائیں۔ مہاجرین کہ جو آپ کے ایک ایک فرمان پر اپنا گھربار، بیوی بچے، مال و اسباب غرضیکہ سب کچھ قربان کرنے کو تیار تھے۔ ان تمام مہاجرین کے دل اپنے پرانے وطن اور خدا کے گھر کی زیارت کے لئے پھڑک اٹھے۔ انہوں نے مکہ جانے کے لئے زور شور سے تیاریاں شروع کر دیں۔

نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلم نے تمام مسلمانوں کو ہدایت کی کہ وہ اپنے ساتھ کسی قسم کا ہتھیار نہ لے جائیں کیونکہ دشمن یہ خیال نہ کرے کہ ہم جنگ کی غرض سے آئے ہیں۔ اور نہ ایسے بھی ہمارا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ مسلمان جوق در جوق مکہ جانے والے گروہ میں شامل ہو رہے تھے۔

آخر وہ دن آ ہی گیا جب مسلمان حج کی غرض سے مکہ کے لئے روانہ ہوئے۔ ادھر مکہ میں کسی نے یہ غلط خبر اڑا دی کہ مسلمان مکہ پر حملہ کرنے کی غرض سے آ رہے ہیں۔ اور کفار یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ خبر غلط ہے۔ جنگ کے لئے زور شور سے تیاری کرنے لگے۔ اور مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے حربے اور چالیں سوچنے لگے۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلم کو کفار مکہ کے اس ناپاک ارادے کا پتہ چلا تو انہوں نے کفار کا یہ غلط نظریہ ختم کرنے کے لئے قاصد کو بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ ان حالات میں کفار کے گھر اکیلے قاصد کے روپ میں جانا کسی طرح بھی خطرہ سے خالی نہ تھا۔ لیکن حضرت عثمانؓ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلم کا پیغام لے کر مکہ پہنچے تو مکہ والوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نظر بند کر دیا۔ ان حالات کا مسلمانوں کو علم ہوا تو انہوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی کہ ہم حضرت عثمانؓ کا انتقام لئے بغیر واپس نہیں جائیں گے

مسلمان چونکہ اپنے ساتھ کوئی جنگی ہتھیار نہیں لائے تھے۔ لیکن پھر بھی وہ اپنے ایمانی جذبے سے معمور دلوں کے ساتھ کفار کی عظیم الشان اور ٹڈی دل فوج کے ساتھ سختی سے نمٹا جانے کا بھرپور حوصلہ و عزم رکھتے تھے۔

کفار نے جب یہ دیکھا تو ان کے حوصلے پست ہو گئے اور انہیں مسلمانوں کی فتح نمایاں طور پر دکھائی دینے لگی۔ آخر کفار مکہ کے بڑے بڑے سرداروں نے فیصلہ کیا کہ چند شرائط کی بنا پر مسلمان قوم سے بظاہر وقتی کر لی جائے۔ انہوں نے ایک وفد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اور صلح کی شرائط پیش کیں جن میں سے چند مشہور شرائط ذیل میں دی جاتی ہے۔

۱۔ مسلمان اس سال واپس مدینے چلے جائیں اور اگلے سال حج کے لئے آئیں۔

۲۔ دونوں فریقین میں دس سال تک جنگ نہ ہوگی۔

۳۔ کوئی بھی قبیلہ دونوں فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہے مل جائے اسے کچھ نہ کہا جائے گا۔

۴۔ اس دوران اگر کوئی بھی حکومت دونوں فریقوں میں سے کسی پر بھی حملہ کرے گا تو دونوں فریق یعنی مسلمان اور کفار مل کر مقابلہ کریں گے۔

۵۔ اگر کوئی شخص مکہ میں سے مسلمان ہو کر مدینے جائے تو اسے واپس کر دیا جائے گا۔

چونکہ یہ معاہدہ حدیبیہ کے مقام پر ہوا تھا۔ اس لئے اسے صلح حدیبیہ کہتے ہیں۔ اس معاہدہ پر دونوں فریقین کے دستخط ہوگئے اور اسے خانہ کعبہ کے دروازے پر لٹکا دیا گیا۔ جب یہ معاہدہ لکھا جا رہا تھا اسی وقت حضرت ابوجندل رض جو کہ کفارِ مکہ میں سے حال ہی میں مسلمان ہوئے تھے اور اُن کا باپ ان پر طرح طرح کے ظلم ڈھاتا تھا فرار ہو کر مسلمانوں کے پاس آگئے لیکن حضور علیہ السلام نے انہیں اسی وقت واپس کر دیا۔ کیونکہ انہیں پناہ دینا معاہدہ کی خلاف ورزی تھی۔

پیارے بچو! یہ معاہدہ بظاہر مسلمان قوم کے خلاف تھا لیکن اصولوں کی پاسداری اور معاہدہ کا احترام کرتے ہوئے حضورؐ نے حضرت ابوجندل رض کو واپس کر دیا۔ حالانکہ ایسا کرنا حضرت ابوجندل رض کو مزید تکلیفوں میں ڈالنا تھا لیکن مسلمان چونکہ وعدے کا پکا اور اصولوں کا پابند ہوتا ہے اس لئے حضورؐ نے ایسا کیا۔ بعد میں حالات نے ثابت کر دیا کہ یہ معاہدہ مسلمانوں کے لئے کتنا فائدہ مند تھا۔ اس لئے میرے بھائیو! ہمیں بھی حضورؐ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اصولوں کی پابندی اور اپنے وعدے پر عمل کرنا چاہیئے۔ اللہ تعالےٰ ہمیں توفیق دے۔

طعن وطنز

تحریر شازیہ رشید موہنی روڈ لاہور

ارشاد خداوندی ہے کہ "آپس میں ایک دوسرے کو طعنے نہ دو اور نہ ایک دوسرے کا نام دھرو" قرآن پاک میں خداوند قدوس فرماتے ہیں کہ کسی آدمی کو ذلیل گھٹیا اور کمینہ سمجھ کر اس کا مذاق نہ اڑاؤ۔ جس شخص کو تم طعنہ دیتے ہو۔ اور بُرے نام سے پکارتے ہو ممکن ہے کہ وہ خدا کے نزدیک تم سے زیادہ عزت دار ہو" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ مومن آدمی کسی پر طعن وطنز بدکلامی اور فحش کلامی نہیں کرتا۔ قرآن حکیم اور ارشادات نبویؐ سے واضح ہوتا ہے کہ طعن وطنز بدکلامی زبان درازی، کسی کو بُرے لقب سے پکارنا اور کسی سے بداخلاقی سے پیش آنا۔ اسلامی تعلیمات کے سراسر منافی ہے ہمیں بھی ان باتوں سے پرہیز کرنی چاہیئے۔ اللہ ہمیں عمل کی توفیق دے۔ آمین۔

شرک اور دعویٰ توحید

کرے غیر گر بُت کی پُوجا تو کافر
جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر
جُھکے آگ پر بہرِ سجدہ تو کافر
کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر

مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں شوق سے جسکی چاہیں

نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں
اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
مزاروں پہ دن رات نذریں چڑھائیں
شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دُعائیں

نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے
نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے!

(مسدس حالی)

خاموش مبلغ ۔ محلہ سادات، ملتان شہر

ٹیلی فون نمبر ۶۷۵۴۵
ہفت روزہ خدام الدین لاہور
رجسٹرڈ ایل نمبر ۶۰۷۴
منظور شدہ محکمہ تعلیم
۱- لاہور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری ۱۶۳۲۱ مورخہ ۲ مئی ۱۹۵۶ء ۲- پشاور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری T.B.C ۲۳-۲۴۸۱ مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۵۶ء
۳- کوئٹہ ریجن بذریعہ چٹھی نمبری ۹/۳۶-۲۰۶۷-D-DA9 ۲۴ اگست ۱۹۶۷ء (۴) راولپنڈی ریجن بذریعہ میمو نمبر ۹/۴۰/۱۵۳۱۰ مورخہ ۳ مارچ ۱۹۶۷ء
قرآن پاک
پڑھیئے — عمل کیجیئے
— اور دارین میں کامیابی حاصل کیجیئے
بہترین طباعت سے آراستہ • عمدہ کاغذ • شاندار جلد
حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا
مترجم و محشّٰی
قرآن عزیز
خود بھی پڑھیئے اور دوسروں کو بھی پڑھائیے
قسم اعلیٰ ۲۰/۰۰ روپے قسم اول ۸/۲۰ روپے قسم دوم ۵/۰۰ روپے قسم سوم ۵/۰۰ روپے
ناشر
انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور